# نقوشِ جاوداں

حضرت علامہ قاضی عبدالدائم دائمؔ مدظلہ العالی

کے مختلف علمی، ادبی اور فکاہی مضامین کا

دلنشین و جاذبِ نظر مرقع

# نقوشِ جاوداں

علمی، تحقیقی، ادبی اور فکاہی

مقالات و مضامین کا دلنشین مرقع

از

قاضی عبدالدائم دائمؔ

خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ ہری پور ہزارہ

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ---------- **نقوشِ جاوداں**

نام مصنف ---------- علامہ قاضی عبدالدائم دائمؔ مدظلہ العالی

پروف ریڈنگ ---------- صاحبزادہ قاضی عبدالدائم عابدؔ

کمپوزنگ ---------- محمد بشیر، صدریہ کمپیوٹرز، ہری پور ہزارہ

پبلشر ---------- **دائم پبلیکیشنز** اُردو بازار لاہور

اہتمامِ اشاعت ---------- اراکین، بزمِ صدریہ، پتوکی 049-4421126
0300-4104721

ناشر ---------- شعبہ نشر و اشاعت بزم صدریہ پاکستان

خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ ہری پور ہزارہ

ہدیہ ---------- -/100 روپے

## ملنے کے پتے

۱- خانقاہ نقشبندیہ، مجددیہ، صدریہ، ہری پور ہزارہ۔

۲- ڈاکٹر محمد حنیف، دائم کلینک، نزد مسجد مینارۂ رضا، پتوکی۔

۳- ظفر الاسلام ظفرؔ، فارورڈ ہائی سکول فار بوائز، نزدِ آسامائی گیٹ، لیڈی ریڈنگ ہسپتال، پشاور۔

۴- حاجی محمد طاہر اکرم، ڈریم سٹور، مین مارکیٹ، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ۔

۵- صابر علی شاہ، ارم کالونی، بالمقابل ریلوے سٹیشن، مردان۔

**ڈسٹری بیوٹر:** ________ الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور

Marfat.com

# ترتیب مضامین


| نام مضامین | ابتدائی صفحہ | آخری صفحہ |
|---|---|---|
| پیشِ لفظ | ۴ | ۵ |
| شگفتہ وسنجیدہ، دو، واقعات | ۶ | ۱۳ |
| غضب الرحمۃ، پیکرِ رحمت ﷺ کا غصہ | ۱۴ | ۲۵ |
| کلام رضا اور صحابہ کی ثنا | ۲۶ | ۴۴ |
| جن کا حملہ، ایک سچا مگر دلچسپ واقعہ | ۴۵ | ۵۱ |
| رؤیتِ ہلال، امتِ مسلمہ کا اہم مسئلہ | ۵۲ | ۸۳ |
| ہندو دھرم کی حقیقت، ہندو مت کی کتابوں سے | ۸۴ | ۹۴ |
| تقریظاتِ رضا | ۹۵ | ۱۱۰ |
| حدیث رَدِّ شمس اور ملا علی قاریؒ | ۱۱۱ | ۱۱۵ |
| مرثیہ، سوزِ دل سوز، بروفات ہمشیرہ محترمہؒ | ۱۱۶ | ۱۱۷ |
| کچھ باتیں، چند یادیں، حضرت علامہ مفتی عبدالقیومؒ ہزاروی مرحوم ومغفور سے وابستہ | ۱۱۸ | ۱۲۳ |
| فتاوی رضویہ کا خطبہ، علم وفضل کا شہ پارہ۔ | ۱۲۴ | ۱۳۵ |
| قربانی کے لئے کٹی کی خریداری | ۱۳۶ | ۱۴۱ |
| ''فنِ شاعری اور حسان الہند'' کا تجزیہ | ۱۴۲ | ۱۵۳ |
| چھوٹی بیٹی کو ختم قرآن پر منظوم مبارک باد | ۱۵۴ | ۱۵۵ |
| ایک استفتاء اور اس کا پسِ منظر | ۱۵۶ | ۱۶۳ |
| درزی کی اذان | ۱۶۴ | ۱۶۸ |
| ان خاک نشینوں کی ٹھوکر.....ہے | ۱۶۹ | ۱۷۴ |
| انڈروالا بات (اندروالی بات) | ۱۷۵ | ۱۷۹ |
| سردار باوا سنگھ | ۱۸۰ | ۱۸۲ |

# پیش لفظ

حضرت اعلیٰ علامہ قاضی عبدالدائم دائمؔ مدظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ نے اظہار مافی الضمیر پر جو دسترس عطا فرمائی ہے اور ان کی تحریر و تقریر میں جو تاثیر و چاشنی رکھی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے خطابات ہوں یا کتابیں اور مضامین، سب میں اتنی جاذبیت اور دلکشی ہوتی ہے کہ سامعین و قارئین کھو کر رہ جاتے ہیں اور تقریر یا تحریر کے اختتام تک ان کے ذوق و شوق میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ باتیں ہم مبالغہ آرائی یا جوشِ عقیدت کی بنا پر نہیں کہہ رہے؛ بلکہ کتب سیرت کے انعامی مقابلے میں اوّل آنے والی اور عالمی شہرت کی حامل کتاب ''سیّدالورٰی'' اس پر شاہد ہے۔ اس کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ کسی صاحبِ علم کو اس کی کوئی جلد تحفۃً دیتے وقت اس پر مصنف علام خود اپنے قلم سے لکھ دیتے ہیں کہ ''اس کتاب کو کھول کر کسی بھی جگہ سے ایک دو صفحے پڑھ لیں، پھر باقی کتاب پڑھنا نہ پڑھنا آپ کی صوابدید پر منحصر ہے۔'' اور پڑھنے والا جب ایک دو صفحے پڑھ لیتا ہے تو پھر جب تک کتاب کو ختم نہ کر لے اس کو چین نہیں آتا۔

ماہنامہ جامِ عرفاں کے لئے سیّدالورٰی کی ایک قسط کے علاوہ، رونمائی کے عنوان سے آپ اداریہ بھی لکھا کرتے تھے جو انتہائی بلند پایہ عالمانہ و عارفانہ حقائق پر مشتمل ہونے کے باوجود اتنا سہل اور آسان ہوتا تھا کہ ہر آدمی اس کو بآسانی سمجھ جاتا تھا اور لطف اندوز ہوتا تھا۔ اداریوں کا مجموعہ ''رونمائیاں'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ حال ہی میں اس کا تازہ ایڈیشن شائع ہوا ہے۔

''سیّدالورٰی'' اور ''رونمائی'' تو آپ ہر ماہ پابندی سے لکھتے تھے مگر کبھی کبھی کوئی اور علمی اور تحقیقی مضمون بھی سپردِ قلم کر دیتے تھے۔ خوش طبعی اور ظرافت چونکہ آپ کے مزاج میں رچی بسی ہے اس لئے کبھی کبھار کوئی فکاہی مضمون بھی لکھ دیتے تھے۔ یہ سب کچھ تو آپ ''جامِ عرفاں'' کے لئے کرتے

Marfat.com

تھے۔علاوہ ازیں کسی اہم مسئلے میں قومی اخبارات کے لئے بھی کچھ لکھ دیتے ہیں۔بعض مصنفین کے بیحد اصرار پر ان کی کتاب کے لئے مقدمہ یا تبصرہ بھی تحریر فرما دیتے ہیں---بشرطیکہ وہ کتاب اُن کے معیار پر پوری اترے۔

الغرض متفرق موضوعات پر ایسی بہت سی تحریریں تھیں جو بکھری ہوئی تھیں اور تا حال یکجا شائع نہیں ہوئی تھیں۔اس طرح کے متعدد مقالات ومضامین کو زیرِ نظر کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ان میں سے ہر مقالہ اور مضمون علم وخبر اور فکر ونظر کا شہکار ہے؛ جبکہ ''جن کا حملہ'' اور ''کٹی کی خریداری'' فکاہی ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔امید ہے کہ اعلیٰ درجے کی تخلیقات کا ذوق رکھنے والے قارئین کو حسبِ معمول یہ کتاب بہت پسند آئے گی اور ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔

قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ حضرت اعلیٰ مدظلہ العالی کی صحت وعافیت کے لئے ہمیشہ دعا گو رہیں اور ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں۔ شکریہ!

اراکین بزمِ صدریہ، پتوکی

۲۱/اپریل ۲۰۰۶ء

Marfat.com

شگفتہ و سنجیدہ

# دو واقعات

پہلے ایک لطیفہ سنئے!

کریم صاحب کے ایک دوست عظیم صاحب جب بھی آتے گھنٹوں گپ شپ لڑاتے اور اُٹھنے کا نام ہی نہ لیتے۔ وقفے وقفے سے چائے کی فرمائش بھی کرتے رہتے۔ بار بار چائے بنانے سے کریم صاحب کی بیوی خالدہ کا ناک میں دم تھا۔

ایک دن کریم صاحب کو دفتر سے واپس لوٹے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ خالدہ نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو عظیم صاحب کھڑے تھے۔

''کیا کریم صاحب گھر پر ہیں---؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی ہاں! ابھی ابھی دفتر سے لوٹے ہیں۔'' خالدہ نے کہا ''مگر نہ جانے کیا بات ہے، جب سے آئے ہیں ہاتھ میں دو سیر کا باٹ اُٹھالیا ہے اور کبھی ایک کو مارنے دوڑتے ہیں، کبھی دوسرے کو--- ویسے ہیں گھر پر ہی---اگر کہیں تو بھیج دوں!''

''نہیں، پھر کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔'' عظیم صاحب نے جان چھڑائی۔

''بہتر ہے۔'' خالدہ یہ کہہ کر واپس مڑی اور تیزی سے چلتی ہوئی کریم صاحب کے پاس گئی، کہنے لگی ''باہر آپ کے دوست عظیم صاحب آئے ہیں، دو سیر کا باٹ مانگ رہے ہیں، شاید کچھ تولنا چاہتے ہیں، ذرا لپک کر انہیں باٹ تو پکڑاتے آیئے۔''

جب کریم صاحب باٹ لئے دروازے پر پہنچے تو عظیم صاحب واپس جا رہے تھے۔ انہوں نے ہانک لگائی---''عظیم صاحب!''

عظیم صاحب نے جب پیچھے مُڑ کر دیکھا اور کریم صاحب کو باٹ بدست اپنی طرف بڑھتے ہوئے پایا تو اُن کے اوسان خطا ہو گئے اور بے تحاشہ بھاگ کھڑے ہوئے---اور ایسے بھاگے کہ پھر کبھی کریم صاحب کے گھر جھانکنے کی جُرأت نہیں کی۔

یہ تو تھا ایک لطیفہ---مگر کبھی حقیقی زندگی میں بھی ایسے واقعات رُونما ہو جاتے ہیں۔

عرصے کی بات ہے، خانقاہ شریف میں والد مکرم حضرت معظمؒ کا ایک خادم نورالحق رہا کرتا تھا---نہایت مخلص اور شفاف دل پٹھان تھا---جسمانی طور پر بھی طویل قامت اور کسرتی بدن کا مالک تھا۔

ایک دن وضو کے لئے ٹونٹیوں کے پاس بیٹھا تو اپنی جرابیں اُتار کر صحنِ مسجد میں پھینک دیں، اسی دوران جماعت شروع ہو گئی۔نورالحق نے جلدی جلدی وضو کیا اور جماعت میں شامل ہو گیا۔

ایک چور کی نظر نئی جُرابوں پر پڑی جو صحنِ مسجد میں پڑی تھیں۔اس نے موقعہ غنیمت جانا اور جرابیں جیب میں ڈال کر مسجد سے نکلنے لگا---چور کی بدقسمتی کہ عین اُسی وقت جماعت ختم ہو گئی۔نورالحق نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ ایک آدمی تیزی سے مسجد سے نکل رہا ہے---جُرابوں والی جگہ پر نظر ڈالی تو جرابیں موجود نہ تھیں۔اس نے فوراً جست لگائی اور اس آدمی کی طرف لپکا۔وہ بھی سمجھ گیا کہ چوری پکڑی گئی ہے اور لگا بھاگنے، مگر نورالحق نے اسے جا پکڑا، چند تھپڑ لگائے اور اس کی جیب سے جرابیں برآمد کر لیں---مزید مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو وہ جان چھڑا کر بھاگا اور اپنے جوتے اِدھر ہی چھوڑ گیا۔

حضرت معظمؒ نے یہ سارا منظر دیکھا تھا---نورالحق واپس آیا تو حضرت معظمؒ سخت برہم تھے۔

"کیوں مارا ہے تو نے اس غریب کو---؟ تجھے تو اپنی جرابیں واپس مل گئیں، مگر وہ بیچارہ اپنے جوتے چھوڑ کر بھاگ گیا---جا!---اور جلدی سے جوتے اسے دے کر آ!"

نورالحق نے دیکھا تو چور بہت دور سے جا رہا تھا۔اس نے جوتے اٹھائے اور چور کے پیچھے

Marfat.com

دوڑ لگادی۔

چور نے مڑ کر دیکھا تو نورالحق کو اپنے پیچھے آتا ہوا پایا---اس نے سمجھا، شاید مجھے مزید مارنا چاہتا ہے یا پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ پھر بھاگ اٹھا۔ نورالحق نے بھتیرا شور کیا کہ ٹھہرو! اپنے جوتے لیتے جاؤ۔ مگر چور نہ رُکا۔

ادھر نورالحق کو یہ فکر تھی کہ اگر چور تک جوتے نہ پہنچے تو حضرت معظمؒ ناراض ہوں گے۔ چنانچہ اس نے اپنی رفتار مزید تیز کردی---اب آگے آگے چور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہا ہے اور اس کے پیچھے نورالحق ہاتھ میں اس کے جوتے لئے پوری رفتار سے اڑا جارہا ہے---نورالحق اور چور کا کیا مقابلہ---؟ جلد ہی نورالحق نے اسے جالیا۔

''خدا کے لئے مجھے اور نہ ماریں۔'' وہ گھگھیایا۔

''بے وقوف آدمی! میں تجھے مارنے نہیں، بلکہ جوتے واپس کرنے آیا ہوں۔'' نورالحق نے اسے بتایا اور اس کی جان میں جان آئی۔

وہی بات ہے---بڑے لوگوں کی بڑی باتیں---باوجودیکہ چور نے جرابیں چرائی تھیں اور سزا کا مستحق تھا مگر حضرت معظمؒ کو اس کے جوتوں کی فکر کھائے جارہی تھی۔

یہ چیز حضرت معظمؒ کی فطرت میں ودیعت تھی---دوسرے کی چیز جب تک لوٹا نہ لیتے آپ کو قرار نہ آتا۔

عم مکرم جناب قاضی شمس الدین صاحب مرحوم نے بیان فرمایا کہ:-

میں بھائی جان (حضرت معظم) کے ساتھ حیدرآباد میں مقیم تھا (۱) یہ غالباً ۲۷-۱۹۲۶ء کا زمانہ تھا۔ ریاست حیدرآباد کا اپنا سکہ تھا، جو ''عالی'' کہلاتا تھا۔ انگریزی سکے کو وہاں ''کلغی دار'' روپیہ کہا

---

(۱) حیدرآباد میں قیام کے اسباب اور وہاں کے دلچسپ حالات کے لئے حیات صدریہ کا مطالعہ کیجئے۔

Marfat.com

جاتا تھا --- نام تو حیدر آبادی سکے کا "عالی" تھا مگر قیمت میں انگریزی روپے سے کم تھا۔

ایک دفعہ ہم نے گھر آنے کا ارادہ کیا۔ ہمارے پاس جو رقم تھی وہ حیدر آبادی سکے میں تھی۔ جبکہ ہمارے علاقہ میں انگریزی سکہ رائج تھا، اس لئے ہم ایک ہندو صراف کے پاس سکے بدلوانے گئے۔ بھائی جان نے اسے عالی سکے دیئے اور اس نے حساب کر کے ان کے عوض ہمیں کلغی دار روپے دے دیئے۔ اسی دن ہم نے اگلے دن کے لئے گاڑی پر اپنی سیٹ بھی بک کرالی۔ دوسرے دن روانگی سے ذرا پہلے بھائی جان نے حساب کیا تو پتہ چلا کہ صراف نے غلطی سے ہمیں اسی (۸۰) روپے زیادہ دے دیئے ہیں۔ بھائی جان فرمانے لگے۔

"قاضی! آؤ صراف کو اَسّی روپے واپس کر آئیں۔"

"مگر بھائی جان!" میں نے کہا "اب تو گاڑی کی روانگی کا وقت ہے۔ اگر ہم اُدھر چلے گئے تو گاڑی چھوٹ جائے گی۔"

"چھوٹتی ہے تو چھوٹنے دو --- پیسے تو بہر حال واپس کرنے ہیں۔"

چنانچہ ہم صراف کی طرف چل پڑے۔ اُدھر صراف کو بھی بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا مگر اسے ہمارا اتا پتا معلوم نہ تھا اسلئے بے چارہ سخت پریشان تھا کیونکہ اس زمانے میں اسی روپیہ بہت بڑی رقم تھی۔ مارکیٹ بھر میں اس نے لوگوں کو اپنی بپتا سنائی تھی اور کہا تھا کہ میں سرحدی پٹھانوں کو غلطی سے بہت ساری رقم دے بیٹھا ہوں۔

جب ہم وہاں پہنچے تو اس کے پاس بہت سے ہندو جمع تھے اور قیاس آرائی میں مصروف تھے۔ صراف نے ہمیں دیکھا تو کہنے لگا

"لو! --- وہ آ گئے کل والے پٹھان۔"

سب ہندوؤں نے ہمارے گرد حلقہ سا بنا لیا اور خوشامدانہ انداز میں کہنے لگے

"یہ تو بڑے بھاگوان لوگ ہیں --- یہ تو بڑے پَوِتّر لوگ ہیں --- یہ کب کسی کا مال

Marfat.com

کھاتے ہیں۔"

بہرحال بھائی جان نے صراف سے پوچھا کہ تم کچھ روپے زائد تو نہیں دے بیٹھے؟

"جی سرکار!---غلطی سے اسی روپے آپ کی طرف زیادہ چلے گئے تھے۔" صراف نے امید وبیم کی ملی جلی کیفیت میں بتایا۔

"یہ لو اسی روپے۔" بھائی جان نے اسے روپے پکڑاتے ہوئے کہا۔ پھر کہنے لگے

"آج محض تمہارے پیسوں کی وجہ سے ہماری گاڑی چھوٹ گئی، حالانکہ ہم کل ٹکٹ لے چکے تھے---ہم نے اپنا نقصان برداشت کرلیا، مگر تمہارا نقصان گوارا نہ کیا۔ ویسے ہمیں اگر گھر پہنچنے کے بعد بھی احساس ہوتا کہ روپے زیادہ آ گئے ہیں تو ہم پھر بھی تمہیں پہنچا دیتے۔"

وہاں پر موجود سب لوگ ہندو تھے مگر بھائی جان کا یہ کردار دیکھ کر کہنے لگے۔

"بلاشبہ ایسے ہی عظیم اور پاکیزہ لوگوں کے طفیل یہ دنیا قائم ہے۔"

والفضل ماشهدت به الاعدآء۔

حقیقی عظمت تو وہی ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کریں۔

Marfat.com

# حدیثِ عبرت

ان کے لئے خاص تحفہ جنہیں قدرت نے دیدۂ عبرت نگاہ سے نوازا ہے۔

سرورِ عالم ﷺ نے بیان فرمایا:۔

بنی اسرائیل میں تین شخص تھے۔ایک برص کا مریض تھا، ایک گنجا تھا اور ایک اندھا---

تینوں بے حد غریب تھے---اللہ تعالیٰ نے جب انہیں آزمانے کا ارادہ فرمایا تو ان کی طرف انسانی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا۔وہ فرشتہ پہلے برص کے مریض کے پاس آیا اور اس سے پوچھا

''اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ؟''تمہاری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟''

''اچھا رنگ روپ اور خوبصورت جلد۔''اس نے بتایا۔''اس رنگ برنگ جلد کی وجہ سے سب لوگ مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔''

فرشتے نے اس کی جلد پر ہاتھ پھیرا تو اسی وقت برص ختم ہو گیا اور جلد نکھر آئی۔

''اب یہ بتاؤ۔''فرشتے نے پوچھا''کہ تمہیں کونسا مال زیادہ پسند ہے؟''

''مجھے اونٹ پسند ہیں۔''

فرشتے نے اسے ایک حاملہ اونٹنی دی اور دعا کی---بَارَکَ اللہ لَکَ فِیْھَا ۔اللہ تعالیٰ اس کو تیرے لئے بابرکت بنائے۔

اس کے بعد فرشتہ گنجے کے پاس گیا۔پوچھا

''تمہاری سب سے بڑی تمنا؟''

''لمبے اور خوبصورت بال---اس گنج کہ وجہ سے لوگ مجھے گندا اور غلیظ سمجھتے ہیں۔''اس نے بتایا۔

Marfat.com

فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا---اسی وقت خوبصورت اور چمکدار بال لہرانے لگے

''تمہیں کون سا مال مرغوب ہے؟'' فرشتے نے پوچھا۔

''میری پسند گائے ہے۔''

فرشتے نے اسے ایک گابھن گائے دی اور دعا دی۔ بَارَکَ اللہ لَکَ فِیْھَا۔

اندھے سے پوچھا ''تجھے کیا چاہئے؟''

''میں آنکھوں کی نعمت سے محروم ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں روشن کردے۔''

فرشتے نے اس کی آنکھوں کو چھوا تو اسے سب کچھ نظر آنے لگا۔

''تیرا پسندیدہ مال؟'' فرشتے نے پوچھا۔

''بکریاں۔''

فرشتے نے اسے ایک گابھن بکری دی اور کہا۔ بَارَکَ اللہ لَکَ فِیْھَا۔

فرشتے کی دعائے برکت رنگ لائی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک کے پاس اونٹوں کا، دوسرے کے پاس گائے بیلوں کا گلہ اور تیسرے کے پاس بکریوں کا ریوڑ ہوگیا۔

کچھ مدت بعد آزمائش کا وقت آ پہنچا۔ وہی فرشتہ اونٹوں کے مالک کے پاس سائل بن کر آیا۔

''بھائی! میں ایک مسکین آدمی ہوں۔ حالتِ سفر میں ہوں۔ میری سواری ضائع ہوگئی ہے۔ خدا کے سوا اور تمہارے سوا میرا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تمہیں اس خدا کا واسطہ جس نے تمہیں ان نعمتوں سے نوازا ہے، مجھے سفر کے لئے ایک اونٹ عطا کردو۔''

اونٹوں کے مالک نے جواب دیا۔

''اَلْحُقُوْقُ کَثِیْرَۃ۔ مجھ پر ویسے ہی بے شمار حقوق ہیں---تجھے اونٹ کہاں سے دوں؟''

فرشتے نے کہا ''ایسا لگتا ہے جیسے میں تمہیں پہچانتا ہوں---تم وہی تو نہیں جو کچھ عرصہ پہلے

Marfat.com

تنگ دست اور برص کے مریض ہوا کرتے تھے!؟''

''نہیں--- میرے تو باپ دادا رئیس تھے--- مجھے یہ سب کچھ وراثت میں ملا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اگر تم جھوٹے ہو'' فرشتے نے کہا ''تو اللہ تعالیٰ تمہیں پھر پہلے جیسا کر دے۔''

اس کے بعد گائے بیلوں والے کے ساتھ بھی اسی قسم کی گفتگو ہوئی اور اسے بھی فرشتے نے وہی بددعا دی مگر جب بکریوں کے مالک کے سامنے فرشتے نے اپنا عاجزانہ سوال دہرایا تو اس نے کہا

''بھائی! میں اندھا تھا، خدا نے مجھے آنکھیں عطا فرمائیں--- میں تنگ دست تھا، رب کریم نے مجھے اتنا بڑا ریوڑ عنایت کیا---تم مجھ سے صرف ایک بکری مانگتے ہو---؟ یہ ریوڑ تمہارے سامنے ہے۔ اس میں سے جتنی بکریاں تمہارا جی چاہتا ہے لے لو---! تم نے خدا کے نام سے سوال کیا ہے اور خدا کے نام پر تو میرا سب کچھ قربان ہے۔''

فرشتے نے کہا ''تمہارا مال تمہیں مبارک--- مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں--- یہ تو ایک آزمائش تھی، جس سے تم سرخرو نکلے اور دوسرے دو شخص ناکام ہو گئے۔ تم سے اللہ راضی ہوا اور ان سے ناراض ہو گیا۔''

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

قارئینِ گرامی قدر!---آپ بھی سائل کو کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹایئے--- نہ جانے کونسی گھڑی آزمائش کی ہو؟

❁❁❁

# غضب الرحمة

## پیکرِ رحمت ﷺ کا غصہ

## برائے سیرت کانفرنس (ملتان)

میں نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبض کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام وتحیہ کو جب رب العالمین نے لباس بشریت میں جلوہ آرا کرنا چاہا تو بشر کی تمام عمدہ صفات سے آراستہ و پیراستہ کر کے مبعوث فرمایا، تا کہ آپ کی ایک ایک ادا ہر انسان کے لئے اسوہ اور نمونہ بن سکے اور ہر شخص اپنی زندگی کے ہر مرحلے میں آپ کی اقتداء کر سکے۔

## غصّہ

غصہ بھی ایک نہایت عمدہ انسانی وصف ہے اور ہر انسان میں پایا جاتا ہے--- کسی میں کم، کسی میں زیادہ۔

نباض فطرت ﷺ کو انسانی نفسیات کا اتنا ہمہ گیر علم عطا کیا گیا تھا کہ آپ کی نگاہِ حقیقت آگاہ سے فطرتِ انسانی کا کوئی بھی پہلو پوشیدہ نہیں تھا۔ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ یہاں ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ غصے کے بارے میں آپ کا ایک جامع اور ہر لحاظ سے مکمل تجزیہ پیش کر دیا جائے۔

Marfat.com

آپ نے غصہ ور افراد کی چار قسمیں بیان فرمائیں۔

(ا)---غصہ آئے بھی جلدی، جائے بھی جلدی۔

(ب)---آئے بھی دیر سے، جائے بھی دیر سے۔

(ج)---آئے تو جلدی، مگر جائے دیر سے۔

(د)---آئے دیر سے، مگر زائل جلدی ہو جائے۔

آپ نے فرمایا کہ ان میں بہترین شخص وہ ہے جس کو غصہ آئے دیر سے اور دور جلدی ہو جائے اور بدترین شخص وہ ہے جس کو غصہ آئے تو جلد اور جائے دیر سے۔ باقی دو صورتیں درمیانے درجے کی ہیں---نہ بہت اچھی نہ بہت بری۔

سبحان اللہ! کس قدر صحیح تجزیہ ہے اور انسانی فطرت کا کتنا وسیع اور محیط علم ہے کہ ان چار صورتوں کے علاوہ کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔

غرضیکہ غصہ انسانی فطرت کا جزو لاینفک ہے اور ہر انسان کسی نہ کسی وقت ضرور غصے میں آتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی آئیڈیل انسان اس کو نہیں قرار دیا جس کو غصہ سرے سے آتا ہی نہ ہو، بلکہ اس نے بلند پایہ افراد کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ (غصہ کو پی جانے والے۔)

یعنی غصہ آئے تو سہی مگر وہ اسے کنٹرول کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

اس وضاحت کے بعد یہ ضروری ہے کہ انسانِ کامل ﷺ کے غصے کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی جائیں اور تحقیق کی جائے کہ آپ کو غصہ آتا تھا یا نہیں اور اگر آتا تھا تو کن حالات میں آتا تھا اور کس حد تک آتا تھا؟

یہ تحقیق دور حاضر میں اس لئے بھی ضروری ہے کہ اکثر واعظین آپ کی رحمۃ للعالمینی کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ آپ کے غضب و ناراضگی کا پہلو اوجھل رہ جاتا ہے اور ایسی باتوں کو سن کر

Marfat.com

ایک عام آدمی اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ میں خواہ کچھ کرتا رہوں، رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا کوئی خطرہ نہیں کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور میں اپنی تمام بداعمالیوں کے باوجود بروز محشر آپ کی سفارش سے سیدھا جنت میں چلا جاؤں گا۔

ظاہر ہے کہ رحمۃ للعالمینی کا یہ تصور انتہائی مہلک ہے۔ اس تصور سے بدکرداری کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور برائیاں پھیلتی اور بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور انتقام پر قرآن کی بیسیوں آیات شاہد ہیں۔

عَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ○

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ○

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین بھی ہے، جب اللہ تعالیٰ کا غضب و انتقام اس کی ارحم الراحمینی پر اثر انداز نہیں ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے غصے اور ناراضگی سے آپ کی رحمۃ للعالمینی میں کیا فرق پڑ سکتا ہے؟

حدیث و سیرت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو بارہا غصہ آتا تھا---کبھی کم، کبھی زیادہ۔ صحابہ کرامؓ جو مزاج شناس رسول تھے، آپ کے روئے انور کو دیکھ کر ہی سمجھ جایا کرتے تھے کہ مزاج عالی برہم ہو گیا ہے اور فی الفور آپ کے غصے کو کم کرنے کی تدبیروں میں لگ جایا کرتے تھے۔

(۱)---حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کہیں سے تورات اٹھا لائے اور عرض کی ''یارسول اللہ! یہ تورات کا ایک نسخہ ہے۔'' رسول اللہ ﷺ خاموش رہے تو حضرت عمرؓ نے تورات کھولی اور پڑھ کر آپ کو سنانے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ آپ کا روئے اقدس متغیر ہو گیا اور غصے کی علامات نمودار ہونے لگیں۔ حضرت عمرؓ اس سے بے خبر تورات پڑھنے میں مصروف رہے۔ صدیق اکبرؓ بھی پاس موجود تھے۔ انہوں نے جب رسول اللہ کے چہرۂ انور کی بدلتی ہوئی کیفیت دیکھی تو جھنجھلا کر حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوئے۔ ''تجھے رونے والیاں روئیں! دیکھتے نہیں ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے

Marfat.com

چہرے کی کیا کیفیت ہے!'' حضرت عمرؓ نے نظر اٹھائی تو آقا کو خشمگیں پایا۔ یہ دیکھتے ہی تورات پڑھنا ترک کر دیا اور کہنے لگے ''میں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ میں اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر برضا و رغبت یقین رکھتا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر موسیٰ اس دور میں آ جاتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگتے تو تم گمراہ ہو جاتے کیونکہ میرا مقام و مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اگر خود موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔

(مشکوٰۃ، ص ۳۲)

یعنی جب میں بذاتِ خود موجود ہوں، میرا لایا ہوا قرآن موجود ہے تو پھر ایک منسوخ اور تحریف شدہ کتاب میں سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے اور اسے پڑھ کر مجھے سنانے کا کیا فائدہ ہے؟

(۲)---اسی طرح ایک مرتبہ آپ کو لوگوں کے لایعنی سوالات سے غصہ آ گیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایسے سوالات کئے جو آپ کو ناگوار گذرے۔ جب سوال بہت ہو گئے تو رسول اللہ کو غصہ آ گیا اور فرمایا ''پوچھو، پوچھو۔'' ایک شخص نے پوچھا۔ ''یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟'' آپ نے فرمایا ''حذافہ'' ایک اور شخص نے سوال کیا ''میرا باپ کون ہے؟'' آپ نے فرمایا ''سالم، حذیفہ کا مولیٰ۔'' جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر غضب چھایا ہوا ہے تو فی الفور کہا ''ہم اللہ عزوجل سے اپنی غلطی کی معافی مانگتے ہیں۔'' (بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۳)

بعض روایات میں ''سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ'' کے الفاظ وارد ہیں۔ یعنی جو تمہارا جی چاہے پوچھو، میں جواب دوں گا۔ بلاشبہ ایسا دعویٰ وہی ہستی کر سکتی ہے جس کے ہمہ گیر علم سے کوئی بھی چیز باہر نہ ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم.

Marfat.com

سرِ عرش پر ہے تری گذر، دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت وملک میں کوئی شئے، نہیں، وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

(۳)---جب آپ کو شدت سے غصہ آتا تھا تو رخسار پر انوار انار کے دانے کی طرح سرخ ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے تو ہم تقدیر میں جھگڑ رہے تھے۔ ہمیں اس نزاع میں الجھا ہوا دیکھ کر آپ کو غصہ آ گیا اور رخ انور اس قدر سرخ ہو گیا کہ لگتا تھا کہ آپ کے رخساروں میں انار گھول دیا گیا ہے۔ پھر ہمیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا "کیا تمہیں ان باتوں کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں ان چیزوں کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں؟ اس مسئلے پر اختلاف کی وجہ سے، اس سے پہلے بھی کئی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ میں تم پر لازم قرار دیتا ہوں، میں تم پر لازم قرار دیتا ہوں کہ آئندہ ہرگز اس جھگڑے میں نہ پڑنا۔" مشکوٰۃ، ص۲۲

(۴)---چہرۂ مبارک سرخ ہونے کے علاوہ یہ بھی ایک علامت تھی کہ آپ ؐ کے دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے عالم یں ابھر آیا کرتی تھی۔

آپ کے پروردہ حضرت ہندؓ ابن ابی ہالہ، آپ کا حلیہ مبارکہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:
بَیْنَهُمَا عِرْقٌ یُدِرُّہٗ الْغَضَبُ (دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی، جس کو غصہ ابھار دیا کرتا تھا۔) (شمائل ترمذی ص۲)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ نے اپنے مشہور عالم "سلام" میں اس رگ کو نہایت ہی خوبصورت انداز میں نظم کیا ہے۔

چشمۂ مہر میں موجِ نور جلال
اس رگِ ہاشمیت پہ لاکھوں سلام

جانِ دو عالم ﷺ کے روئے تاباں اور جبینِ درخشاں کے لئے "چشمۂ مہر" کا استعارہ اور اس میں

Marfat.com

ابھری ہوئی رگ ہاشمیہ کے لئے ''موجِ نورِ جلال'' کی دلآویز تشبیہ، بلاشبہ بلاغت کی معراج ہے۔

(۵)---کبھی آپ کو غصہ آتا تو اظہار ناراضگی کے طور پر کچھ عرصے کے لئے قطع تعلق فرما لیتے، چنانچہ ایک دفعہ آپ ازواجِ مطہرات سے ناراض ہوئے تو ایک ماہ کے لئے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کو، جو سرورِ عالم ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی بعض باتوں کا جواب دینے لگی ہو جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی ناراض ہو جاتے ہیں اور پورا پورا دن تم سے بات نہیں کرتے۔

یَابُنَیَّۃُ! اِنِّیْ اُحَذِّرُکِ عَقُوْبَۃَ اللّٰہِ وَغَضَبَ رَسُوْلِہٖ

(اے میری بیٹی! میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی سزا اور رسول خدا کے غضب سے بچ کر رہو۔)

حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت حفصہؓ کا تعلق خاوند بیوی کا تھا اور خاوند بیوی میں بے تکلفی اور روٹھنا منانا ایک خوشگوار ازدواجی زندگی کی اساس ہے، مگر حضرت عمرؓ نے اس خیال سے منع فرما دیا کہ کہیں یہ بے تکلفی سرورِ کونین ﷺ کی ناراضگی پر منتج نہ ہو جائے۔

(۶)---ایک دفعہ تو غصے کی انتہا ہی ہو گئی اور زبان مبارک سے ایسا جملہ نکل گیا جس سے مخاطب ہمیشہ کے لئے معذور ہو گیا۔

عن سلمة ابن الاکوع ان رجلا اکل عند رسول اللہ ﷺ بشماله ، فقال: کل بیمینک، قال : لا استطیع ، قال : لا استطعت ـــــ ما منعه الا الکبر ـــــ قال : فما رفعها الی فیه. (رواه مسلم) مشکوٰۃ ص ۵۳۶

سلمہ ابن اکوعؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ''دائیں ہاتھ سے کھاؤ!'' اس نے جواب دیا ''میں اس ہاتھ کو اٹھانے کی

استطاعت نہیں رکھتا" یہ بات اس نے بطور تکبر کہی تھی۔ (حالانکہ ہاتھ ٹھیک ٹھاک تھا۔) آپ نے فرمایا "آئندہ واقعی استطاعت نہیں رکھو گے۔" حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ پھر زندگی بھر اس شخص کا ہاتھ منہ کی طرف نہ اٹھ سکا۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

نعوذ باللہ من غضب رسول اللہ.

مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ:-

(۱) رحمت عالم ﷺ کو بھی غصہ آیا کرتا تھا۔

(۲) غصے کے عالم میں چہرۂ اقدس کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔

(۳) شدید غصے میں روئے زیبا انار دانے کی طرح ہو جاتا تھا اور جبینِ انور پر ایک رگ نمایاں ہو جاتی تھی۔

(۴) پھر کبھی صرف نصیحت کرنے اور ڈانٹنے پر اکتفاء کرتے تھے۔

(۵) کبھی محدود وقت کے لئے قطع تعلق فرما لیتے تھے۔

(۶) ایک بار غصے کے عالم میں ایک برق آسا جملہ "لَا اَسْتَطَعْتَ" (آئندہ واقعی طاقت نہیں رکھو گے) بھی زبان مبارک سے نکل گیا تھا۔

(۷) صحابہ کرامؓ آپ کے غضب سے سخت ڈرتے تھے اور جونہی مزاج دلدار برہم نظر آتا تھا، معافی کے طلبگار ہو جاتے تھے۔

(۸) اپنی اولاد کو بھی نصیحت کرتے تھے کہ رسولِ خدا کے غضب اور ناراضگی سے بچ کر رہو۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ:-

(۱)---آپ کو بے فائدہ لٹریچر پڑھنا ناپسند تھا۔ (حدیث نمبر ۱)

Marfat.com

افسوس! کہ آج کل کے نوجوانوں کا بیشتر وقت بے کار؛ بلکہ بے ہودہ لٹریچر کی نذر ہو جاتا ہے۔

(۲)---فضول اور لایعنی سوالات بہت ناگوار گذرتے تھے۔(حدیث نمبر۲)

آج ہماری محفلوں کی رونق ایسے ہی بے سروپا سوالات وجوابات ہوتے ہیں۔

(۳)--- تقدیر کے مسائل میں بحث مباحثہ انتہائی خطرناک سمجھتے تھے اور اس کو سابقہ امتوں کی ہلاکت کا سبب قرار دیتے تھے۔(حدیث نمبر۳)

آج کل ہر کس وناکس تقدیر کے موضوع پر فلسفہ بگھارتا نظر آتا ہے۔

(۴)---بائیں ہاتھ سے کھانے پر بہت ناراض ہوتے تھے اور اسے شیطانی کام بتلاتے تھے۔فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَاْکُلُ بِشِمَالِہٖ.

آج کل دائیں بائیں کی تمیز ہی ختم ہو کر رہ گئی ہے اور کیڈٹوں کو کھانے کا جو طریقہ سکھایا جاتا ہے، اس میں دائیں ہاتھ سے چھری اور بائیں ہاتھ سے کانٹا پکڑنا لازمی ہوتا ہے۔ یہ بے احتیاطی بھی عام ہے کہ لوگ پرچ سے چائے پیتے وقت پیالی دائیں ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں اور بائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی پرچ میں چائے ڈال کر بائیں ہاتھ سے پیتے ہیں حالانکہ پیالی بائیں ہاتھ میں اور پرچ دائیں ہاتھ میں پکڑ کر بآسانی اس شیطانی کام سے بچا جا سکتا ہے مگر کون پرواہ کرتا ہے ایسی باتوں کی---!

(۵)---احکامِ نبوت کی نافرمانی، متکبرانہ انداز میں ٹال مٹول اور حیلے بہانے کرنا آپ کو اس درجہ ناپسند تھا کہ ایک شخص سے زندگی میں صرف ایک بار یہ حرکت سرزد ہوئی اور آپ کی برقِ غضب نے اس کے ہاتھ کو ہمیشہ کے لئے بیکار کر دیا۔(حدیث نمبر۶)

آج ہم نے اپنی زندگی کی بنیاد ہی اسی ٹال مٹول پر رکھی ہوئی ہے اور فرامینِ رسالت سے جی چرانے کے لئے طرح طرح کے حیلے اور بہانے تراش رکھے ہیں۔

---کیا یہ سب کچھ رسولِ خدا ﷺ کے خلاف کھلی بغاوت نہیں ہے---؟

--- کیا یہ محبوبِ خدا ﷺ کے غضب اور ناراضگی کو دعوت دینے کی جسارت نہیں

Marfat.com

ہے---؟

افسوس! صد افسوس!---شرم نبی، خوفِ خدا، یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں۔

معاف کیجئے گا میں جذبات میں آ کر مقالے کی معروف ڈگر سے ہٹ گیا ہوں، لیکن تحقیق کے ساتھ ساتھ اگر تھوڑا سا دردِ دل بھی آشکارا کر دیا جائے تو میرے خیال میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ---دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو۔

بہر حال سرور عالم ﷺ کے غصے اور ناراضگی کے جو واقعات اب تک ذکر کئے گئے ہیں، ان کا تعلق آپ کے تربیتی نظام سے تھا---غصے ہونا، ڈانٹنا، نصیحت کرنا، وقتی طور پر قطع تعلق کر لینا--- یہ تمام چیزیں تربیت کے لوازمات میں سے ہیں۔ ان کے بغیر تربیت ناقص رہ جاتی ہے اور اصلاح کی کوششیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔ ان واقعات میں آپ کے مخاطب اہل ایمان، یا کم از کم ایمان کے دعویدار ہوتے تھے کیونکہ نظام تربیت کا تعلق انہی لوگوں کے ساتھ تھا۔ رہے کفار و مشرکین، تو وہ آپ کی تربیت سے خارج تھے اور وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کے مطابق ہر قسم کی سختی کے مستحق تھے۔ اس لئے کبھی کبھار ان کے لئے بددعائیہ کلمات بھی زبان مبارک سے نکل جاتے تھے۔ ہر چند کہ آپ ان کی ایذا رسانیوں اور ظلم کوشیوں پر اکثر و بیشتر صبر کرتے تھے؛ بلکہ الٹا ان کو دعاؤں سے نواز دیتے تھے---سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں---تاہم کبھی کبھی آپ کو غصہ بھی آ جایا کرتا اور آپ ان کی ہلاکت یا وقتی سزا کا مطالبہ بارگاہِ رب العزت میں پیش فرما دیتے تھے۔

(۱)---حضرت عبداللہؓ سورۂ دخان کی آیت يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ○ کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"جب قریش نے نبی ﷺ کی بہت نافرمانی کی تو آپ نے ان کے لئے بددعا کی کہ ان پر ایسا قحط نازل ہو جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں پڑا تھا۔ چنانچہ شدید قحط پڑا یہاں تک کہ مشرکین ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ بھوک کی شدت کا یہ عالم ہو گیا کہ آدمی آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتا تھا تو

ساری فضا دھواں دھواں نظر آتی تھی۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔''اب انتظار کیجئے اس وقت کا جب آسمان سے واضح طور پر دھواں اترتا ہوا نظر آئے گا۔یہ ایک دردناک عذاب ہوگا۔''

پھر ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ''یارسول اللہ! قبیلہ مضر کے لئے بارش کی دعا فرما دیجئے، وہ تو بالکل ہلاک ہونے والے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مضر کے لئے---؟! تُو تو بڑا بے باک آدمی ہے۔'' (کہ ایسے نافرمانوں کے لئے دعا کروا رہا ہے۔) تاہم آپ نے ان کے لئے بارش کی دعا کر دی تو بارش ہوگئی۔'' (بخاری، ج ۲، ص ۱۴۷)

اللہ اکبر!---کیا شان ہے کملی والے کی!! کہا، بارش بند ہو جائے، سالوں تک بند رہی۔ کہا، بارش ہو جائے، رِم جھم پھوار پڑنے لگی۔

آیئے! ہم بھی اس آقائے کونین ﷺ کے حضور عرض کریں:

اَنَافِیْ عَطَشٍ وَسَخَاکَ اَتَمْ ،اے گیسوئے پاک،اے ابر کرم
برسن ہا رہے رِم جھم ، رِم جھم ، دو بوند اِدھر بھی گرا جانا

(۲)---ایک دفعہ آپ ﷺ حرم شریف میں نماز پڑھ رہے تھے تو انسانیت سے عاری دشمن کہیں سے غلاظت بھری اوجھریاں اٹھا لائے اور عین اس وقت جب آپ سربسجود تھے، آپ کی گردن پر رکھ دیں۔اس وقت محبوب ومحِب نہ جانے راز ونیاز کے کن مرحلوں سے گذر رہے تھے اور قرب ومعیت کی کیسی لذتوں سے سرشار ہو رہے تھے، کہ اس بیہودہ دخل اندازی سے آپ کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی۔آپ نے نام بنام چند بدبختوں کا ذکر کیا اور فرمایا ''الٰہی! ان سب کو اپنی گرفت میں لے لے۔''

دعا قبول ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے بعد غزوہ بدر میں سب کے سب واصل جہنم ہو گئے۔دیر تک ان کے لاشے میدان میں پڑے رہے۔ان دنوں شدید گرمی تھی۔سورج کی حرارت نے لاشوں کا برا حال کر دیا۔آخر مردار کی طرح گھسیٹ کر ایک ویران کنویں میں پھینک دیئے گئے---

Marfat.com

خس کم جہاں پاک

تین دن تاریک کنویں میں یہ بدانجام لوگ گلتے سڑتے رہے، تیسرے دن سرورِ عالم ﷺ کنویں پر تشریف لے گئے اور ان کو شرمندہ اور نادم کرنے کے لئے ایک ایک کافر کا نام لے کر پکارا اور فرمایا:

''اب تو تمہارا بہت جی چاہتا ہوگا کہ کاش اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی! ہمارے ساتھ ہمارے رب نے فتح ونصرت کا جو وعدہ فرمایا تھا، وہ تو اس نے پورا کر دکھایا، تمہارے ساتھ رسوائی وعذاب کا جو وعدہ کیا تھا، وہ بھی پورا ہوا کہ نہیں؟''

حضرت عمرؓ نے حیرت سے عرض کی---''یارسول اللہ! آپ بے جان جسموں کے ساتھ گفتگو فرما رہے ہیں!''

آپ نے فرمایا---''وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْھُمْ.''

(اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس کو وہ اسی طرح سن رہے ہیں، جس طرح تم سن رہے ہو۔)(۱)

ملاحظہ فرمایا آپ نے رحمت عالم ﷺ کی بددعا کا حیرت انگیز اثر---! کیسا عبرتناک انجام ہوا ان ظالموں کا!

(۳)---سرورِ عالم ﷺ کی بددعا کے ضمن میں بعض محدثین نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی نقلیں اتارا کرتا تھا۔ ایک دن آپ نے اس کو اس حالت میں دیکھ لیا تو فرمایا کَذَالِکَ کُنْ (اسی طرح ہو جا) اور وہ ہمیشہ کے لئے اسی طرح رہ گیا۔

اس روایت کو اکثر واعظین اپنے وعظوں اور تقریروں میں بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ٹیپ کے بند کے طور پر مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کا یہ شعر پڑھتے ہیں۔

---

(۱) یہ واقعہ صحیح بخاری اور حدیث کی دیگر کتابوں میں پوری شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہے۔ ہم نے بہت مختصر انداز میں ذکر کیا ہے۔ تفصیل کے لئے بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ اور ج ۱ ص ۳۷ کا مطالعہ کیجئے!

Marfat.com

وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

ہمارے خیال میں نہ یہ روایت صحیح ہے، نہ اس شعر کا اس کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔

علامہ ابن حجرؒ نے اصابہ میں حَکَمْ---والدِ مردان---کے تذکرے میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے ''فِیْ اِسْنَادِہٖ نَظْرٌ ''اس کی سند میں اعتراض ہے۔اس کے بعد ایک اور سند ذکر کی ہے اور اسے بھی یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ اس سند میں ایک راوی شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔

ہم یہاں شیعہ سنی اختلاف میں نہیں پڑنا چاہتے، نہ حَکَمْ کے کردار کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں، تاہم اہل تشیع کو خاندانِ بنوامیہ سے جو نفرت وعداوت ہے، اس کے ہوتے ہوئے ہم کیسے باور کر سکتے ہیں کہ اس روایت میں ان کے جذبات کی کارفرمائی نہ ہوئی ہوگی؟

رہا اعلیٰ حضرت کا شعر، تو اس میں سرورِ عالم ﷺ کی زبان سے لفظِ ''کُنْ'' ادا ہونے کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔وہاں تو ''کُنْ کی کنجی'' مذکور ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کُنْ کی کنجی سرورِ کونین ﷺ کی زبان ہے۔آپ اگر کسی کو دعا دیں تو اللہ تعالیٰ اس کے مطابق ''کُنْ'' کہہ دیتا ہے اور اگر بددعا دیں تو اس کی تکمیل امر ''کُنْ'' سے فرما دیتا ہے۔''کُنْ کہنے والی زبان'' اور ''کُنْ کی کنجی زبان'' میں فرق ہر صاحب ذوق پر عیاں ہے۔ھذا ماعندی، واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماب وصلی اللہ الف الف مرۃ بعد دکل ذرۃ علی صاحب فصل الخطاب وعلیٰ الہ واصحابہ اولی الھدایۃ و ذوی الالباب۔

# کلام رضا اور صحابہ کی ثنا

سرور عالم ﷺ کے جان نثار اصحابؓ وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کے اوصاف و کمالات خود رب العالمین نے جا بجا ذکر فرمائے ہیں۔ چنانچہ سورۂ فتح میں ارشاد ربانی ہے

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہ کرامؓ) وہ کافروں پر نہایت سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔ تم انہیں رکوع کرتے ہوئے اور سجدے کرتے ہوئے پاؤ گے۔ وہ اللہ کے فضل اور رضا کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے چہروں پر سجدہ گذاری کے نشانات ہیں۔''

صحابہ کرام پہلے کمزور تھے پھر رفتہ رفتہ توانا اور طاقتور ہوتے گئے اور بالآخر اس قدر قوی ہو گئے کہ انہیں دیکھ کر کفار و مشرکین غصے سے جل بھن جاتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی اس کیفیت کو اجاگر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک تمثیل بیان فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ یہ مثال انجیل میں بھی مذکور ہے۔

﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ﴾ ۴۸/۲۹

(جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر

Marfat.com

اپنے تنے پر یوں سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو یہ نشوونما اس لئے دیا) کہ ان کے ذریعے سے کفار کو جلائے۔)

امام احمد رضاؒ اپنی فارسی مثنوی ''ردّ امثالیہ'' میں اسی تمثیل کی طرف تلمیحات کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مزرعے کش آب داد آں بحرِ جود

حق بتنزیلِ مبیں وصفش نمود

(وہ کھیتی جس کو سخاوت کے دریا (یعنی آنحضرت ﷺ) نے پانی دیا اس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن مبین میں یوں بیان فرمائی ہے۔)

قُلْ "کَزَرْعٍ اَخْرَجَ الشَّطْاَ" اِلیٰ

"اٰزَرَ" "فَاسْتَغْلَظَ" ثُمَّ "اسْتَوٰی"

"یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ" کَالْمَاءِ الْمَعِیْن

کَیُ "یَغِیْظَ" الْکَافِرِیْنَ الظَّالِمِیْن

(پڑھو ''کَزَرْعٍ اَخْرَجَ الشَّطْاَ'' سے ''آزَرَ'' ''فَاسْتَغْلَظَ'' پھر ''اِسْتَوٰی'' تک۔ یہ کھیتی کسانوں کو آبِ رواں کی طرح بھلی لگتی ہے تاکہ اس کو دیکھ کر کافروں اور ظالموں کو غصہ آئے۔)

❁❁❁

سرور عالم ﷺ نے اپنے اصحاب کو ہمیشہ کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ قرار دیتے ہوئے ان کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے۔ فرماتے ہیں۔

﴿اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمِ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ﴾

(میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔)

امام احمد رضاؒ اس حقیقت کو یوں واضح فرماتے ہیں۔

شمع ساں اک ایک پروانہ ہے اس با نور کا
نورِ حق سے لو لگائے دل میں رشتہ نور کا
انجمن والے ہیں انجم بزم حلقہ نور کا
چاند پر تاروں کے جھرمٹ سے ہے ہالہ نور کا

ایک اور حدیث میں سرکار دو جہاں ﷺ نے اپنے اہل بیت کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سے تشبیہ دی ہے۔فرماتے ہیں

﴿اَلا اِنَّ مَثَلَ اَهْلِ بَيْتِىْ فِيْكُمْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ ' مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ﴾

(آگاہ رہو کہ تمہارے درمیان میرے اہل بیت کی مثال ''سفینۂ نوح'' جیسی ہے' جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا ہلاک ہو گیا۔)

کشتی میں سفر کرنے والے اگلے زمانے میں ستاروں ہی سے رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے۔اسی بنا پر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خوبصورت بات کہی ہے کہ ہم اہل سنت اللہ کے فضل سے محبتِ اہلِ بیت کے سفینے میں سوار ہیں اور صحابہ کرامؓ کے نجوم ہدایت سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اس لئے امید رکھتے ہیں کہ سفینۂ محبتِ اہلِ بیت کی بدولت قیامت کی مشکلات اور جہنم کے خطرات سے نجات پا جائیں گے اور نجومِ اصحاب سے راہنمائی پانے کی وجہ سے سیدھے راستے پر چلتے ہوئے جنت کی لازوال نعمتوں تک پہنچ جائیں گے۔(مرقاۃ' باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ۔)

امام احمد رضاؒ نے یہی بات شاعرانہ زبان میں اتنی جامعیت واختصار سے بیان کی ہے کہ بلاغت جھوم اٹھتی ہے۔فرماتے ہیں۔

اہلِ سنّت کا ہے بیڑا پار' اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی
صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہم

Marfat.com

صحابہ کرامؓ کی اس پاکیزہ جماعت کے کچھ افراد فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے تھے اور کچھ فتح مکہ کے بعد۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی (اللہ نے سب کے ساتھ اچھے انجام کا وعدہ کر رکھا ہے۔) امام احمد رضاؒ ان دونوں گروہوں پر سلام پیش کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

مؤمنیں پیشِ فتح و پسِ فتح سب
اہلِ خیر و عدالت پہ لاکھوں سلام

پسِ فتح ایمان لانے والوں میں حضرت معاویہؓ بھی شامل ہیں جن کو اہل بیت کی محبت کے کچھ دعوے دار اچھا نہیں سمجھتے' بلکہ بعض ناعاقبت اندیش تو ان پر زبان طعن دراز کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ حالانکہ اہل سنت کا شروع سے عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقام و مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہت ہی بلند و بالا ہے مگر حضرت معاویہؓ بھی صحابی رسول ﷺ ہیں اور شرف صحبت کی وجہ سے ان ستاروں میں شامل ہیں جن کی پیروی کرنا باعث ہدایت و نجات ہے۔

یہی بات امام احمد رضاؒ نے نہایت خوبصورت اور البیلے انداز میں بیان کی ہے۔ حضرت علیؓ کی منقبت کے دوران ان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

کے رسد مولیٰ! بمہرِ تا بناکت نجمِ شام
گو بنورِ صحبت او ہم صبحِ انور آمدہ

(مولیٰ علی! ''نجمِ شام'' بھلا آپ کے مہر تاباں کا کب ہمسر ہو سکتا ہے! اگرچہ نورِ صحبت کی وجہ سے وہ بھی صبحِ روشن کی طرح منور ہے۔)

واضح رہے کہ ''نجمِ شام'' سے مراد حضرت معاویہؓ ہیں کیونکہ ان کا پایہ تخت ملک شام تھا۔ اس میں عجیب ادبی لطافت بھی ہے کہ نجم' یعنی ستارہ جب نمودار ہوتا ہے تو وقت بھی شام کا ہوتا ہے۔

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مؤمنین خواہ پیشِ فتح ہوں یا پس فتح سب اہل خیر ہیں' سب اہل عدالت ہیں لیکن ان میں فرق مراتب ضرور ہے اور پیشِ فتح ایمان لانے والوں کے درجات اُن

Marfat.com

سے بہت بلند ہیں جو پس فتح ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا﴾

تم میں سے وہ لوگ جو فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کر چکے اور جہاد کر چکے (اور وہ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا) برابر نہیں ہو سکتے؛ بلکہ پہلے خرچ کرنے اور جہاد کرنے والوں کا درجہ ان سے بہت بلند ہے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔)

پھر فتح سے پہلے ایمان لانے والوں کے بھی مختلف درجات ہیں۔ مثلاً غزوۂ بدر کے شرکاء غیر معمولی اعزاز کے حامل ہیں کیونکہ انہی کی قربانیوں سے پہلی دفعہ اہل ایمان فتح مبین سے ہم کنار ہوئے اور کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ امام احمد رضا نے بدر کی دفع ظلمت اور ضوفشانی واضح کرنے کے لئے عجیب معنی آفرینی کی ہے لیکن اس کو سمجھنے کے لئے چار نکات ذہن میں رکھنے ضروری ہیں

ا۔۔۔۔ جہاں یہ جنگ لڑی گئی اس جگہ کا نام "بدر" تھا اور بدر کے معنی ہیں چودھویں کا چاند۔

ب۔۔۔۔ جس کی قیادت میں یہ جنگ ہوئی وہ بھی چاند تھا۔۔۔ طیبہ کا چاند۔

ج ۔۔۔۔ "چاند" کی قیادت میں جن خوش نصیبوں نے اس غزوے میں حصہ لیا وہ "ستارے" تھے۔۔۔۔ ہدایت کے ستارے۔

د۔۔۔۔ ان ستاروں کے ہاتھوں میں ہلکے سے خم والی جو تلواریں رخشاں تھیں وہ "ہلال" تھیں، یعنی ہلال کی طرح چمکدار اور خمیدہ۔

ظاہر ہے کہ جہاں ضیاء پاشی کے اتنے ذرائع جمع ہو جائیں وہاں روشنی ہی روشنی پھیل جائے گی اور ظلمت و تاریکی کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ امام احمد رضاؒ نے اس سیل معانی کو کس طرح چند الفاظ میں بند کر دیا

Marfat.com

ہے۔فرماتے ہیں۔

گردِ "مہ" دستِ "انجم" میں رخشاں "ہلال"
"بدر" کی دفعِ ظلمت پہ لاکھوں سلام

ہاتھوں میں رخشاں ہلالی تلواریں لئے ہوئے ان ستاروں نے جب نعرہائے تکبیر بلند کئے تو ان کی ہیبت سے زمین تھرتھرا اٹھی اور جب ان کے جیش نے جنبش کی تو آسمانوں سے اللہ کی مدد اتر آئی --وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ-(یقیناً اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری نصرت فرمائی)

امام احمد رضاؒ اس دلآویز نظارے پر یوں سلام پیش کرتے ہیں۔

شورِ تکبیر سے تھرتھرائی زمیں
جنبشِ جیشِ نصرت پہ لاکھوں سلام

غزوۂ اُحد میں بعض صحابہ کی ایک غلط فہمی کی وجہ سے جب فتح مبین کا آفتاب گہنا گیا تو اس وقت سرورِ عالم ﷺ کے پروانوں نے آپ کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے کے لئے جسم و جان کی جس طرح قربانیاں پیش کیں اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔امام احمد رضاؒ فرماتے ہیں کہ بدر و احد کے ان شہداء نے اپنی جانیں وار کے اس بیعت کا حق ادا کر دیا جو انہوں نے اپنے آقا کے ہاتھ پر کی تھی۔

جاں نثاران بدر و احد پر درود
حق گزاران بیعت(۱) پہ لاکھوں سلام

---

(۱) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "بیعت" سے مراد بیعت رضوان ہو۔اس بیعت کے شرکاء کا یہ امتیاز خاص ہے کہ بظاہر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی اور انہی کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے تھے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ درحقیقت انہوں نے مجھ سے بیعت کی تھی اور ان کے ہاتھوں پر میرا ہاتھ تھا۔اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ط ۴۸/۱۰
اللہ اکبر کیا شان ہے اہل بیعت کی! امام احمد رضاؒ ان کی اسی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ☜

Marfat.com

یوں تو احد کے سارے ہی جان نثار۔۔ بنا کر د ند خوش رسمے بخاك و خون غلطیدن ---کا مصداق تھے مگر ان میں سطوت وشوکت والا ایک ایسا شیر غُرّ اں (دھاڑنے والا شیر) بھی تھا جو جس طرف رخ کرتا تھا صفوں کی صفیں الٹ دیتا تھا' بالآخر وہ بھی ایک حبشی کے پھینکے ہوئے نیزے سے گھائل ہوگیا۔ پھر اس کے ناک کان کاٹ لئے گئے اور کلیجہ بھی نکال لیا گیا۔ سرور کونین ﷺ نے اس کو ''اَسَدُاللّٰہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہ'' (اللہ اور اس کے رسول کا شیر) قرار دیا اور ''سَیِّدُ الشُّھَدَاء'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ اس کی جانبازیوں میں بھلا کس کو شک ہوسکتا ہے۔!

امام احمد رضاؒ تاجدار مدینہ ﷺ کے اس عم مکرم پر یوں سلام پیش کرتے ہیں۔

ان کے آگے وہ حمزہؓ کی جانبازیاں
شیرِ غرانِ سطوت پہ لاکھوں سلام

صحابہ کرامؓ میں دس ایسے خوش نصیب بھی تھے جن کو نام بنام جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ انہی کو ''عشرہ مبشرہ'' کہا جاتا ہے۔ امام احمد رضاؒ نے ان پر یوں سلام پیش کیا ہے۔

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا
اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

❁❁❁

الغرض 'صحابہ کرام کا شاید ہی کوئی ایسا طبقہ ہو جس کی عظمتوں کے امام احمد رضاؒ نے گن نہ گائے ہوں اور خوبصورت اشعار کے نذرانے پیش نہ کئے ہوں۔ بلاشبہ امام احمد رضاؒ کو تمام صحابہ کرامؓ سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی۔ مگر خلفاء راشدینؓ کے ساتھ بالخصوص آپ کو ایسی وابستگی اور عشق تھا کہ

---

وصف اہل بیعت آمد اے رشید! فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یَدُاللّٰہِ الْمَجِیْد

(اے ہدایت یافتہ انسان! اہل بیعت کی (قرآن میں) یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ ان کی ہاتھوں پر اللہ بزرگ وبرتر کا ہاتھ ہے)

اپنے کلام کا ایک بڑا حصہ خلفاء اربعہ کی شان و رفعت اور فضائل و مناقب بیان کرنے کے لئے وقف کر رکھا ہے اور اس مقصد کے لئے اتنے گوناگوں اور متنوع انداز اختیار کئے ہیں کہ آدمی ان کے تخیل کی رسائی اور تفکر کی گہرائی پر حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔

کبھی وہ سرور کونین ﷺ کو ابر نیساں (۱) سے تشبیہ دیتے ہیں اور خلفاء راشدین کو موتیوں سے۔ موتی صدف کے اندر بنتے ہیں اور صدف سمندر میں پائی جاتی ہے۔ امام احمد رضا کی تشبیہ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے مشبّہ بہ سے متعلق چاروں چیزیں، یعنی ابر نیساں، صدف، سمندر اور بارش کے وہ قطرے جو صدف میں پڑ کر موتی بن جاتے ہیں، مشبہ کے لئے ثابت کئے ہیں اور تشبیہ کا حق ادا کر دیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کرم کا ابر نیساں ہیں، چاروں خلفاء اس ابر کے قطرے ہیں، خلافت راشدہ کا تخت وہ صدف ہے جس میں پڑ کر یہ چاروں، موتی بن گئے اور جس سمندر میں خلافت کی صدف نمودار ہوئی وہ مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی پاک شریعت ہے۔

ملاحظہ فرمایئے ان کے یہ دلنشین فارسی اشعار مع ترجمہ۔

ابرِ نیسان است ایں ابرِ کرم
دُرِ رَخشاں آفریں در قعرِ یَم

(نبی اکرم ﷺ کرم کا ایسا ابرِ نیساں ہیں جس کے قطروں سے سمندر کی گہرائی میں چمکدار موتی بنتے ہیں۔)

قطرہا کز وے چکید اندر صدف
گوہرِ رخشندہ شد با صد شرف

(اس ابر کرم کا جو قطرہ صدف میں ٹپکا، نہایت اعلیٰ و اشرف قسم کا گوہر تاباں بن گیا۔)

---

(۱) ابر نیساں موسم بہار کے اس بادل کو کہا جاتا ہے جس کے قطروں سے سیپیوں میں موتی بنتے ہیں۔

بحر ذاخر شرعِ پاکِ مصطفیٰ

داں صدف عرش خلافت اے فتی

(وہ سمندر (جس میں صدف کا ظہور ہوا) مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کی پاک شریعت ہے اور یہ بھی جان لو اے جوان! کہ اس میں نمودار ہونے والی صدف خلافت راشدہ کا تخت ہے۔)

قطرہا آں چار بزم آرائے او

زانکہ اوکل بود وشاں اجزائے او

(وہ قطرے جو موتی بن گئے رسول اللہ ﷺ کے چار بزم آرا ہیں۔ گویا رسول اللہ ﷺ کل ہیں اور وہ چاروں آپ کے اجزاء۔)

ان تشبیہات کی معنویت اور حسن پر جتنا بھی غور کیا جائے اتنا ہی زیادہ لطف آتا ہے اور حظ حاصل ہوتا ہے۔

کبھی امام احمد رضا رسول کریم ﷺ کو پھول قرار دیتے ہیں اور خلفاء اربعہ کو اس پھول کی پتیاں

برگہائے آں گلِ زیبا بدند

رنگ و بوئے احمدی مے داشتند

(چاروں خلفاء اس گلِ زیبا ﷺ کی ایسی پتیاں تھیں جن کی رنگت اور خوشبو احمد ﷺ جیسی تھی۔)

بہر حال رسول اللہ ﷺ ابر کرم ہوں اور خلفاء آپ کے قطرے' یا آپ ﷺ پھول ہوں اور خلفاء اس کی پتیاں' دونوں صورتوں میں آپ کل بنتے ہیں اور خلفاء آپ کے اجزاء---زانکہ اوکل بود وشاں اجزائے او۔

اسکے بعد فرداً فرداً چاروں خلفاء کا ذکر کرتے ہیں اور نہایت لطیف مناسبتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو سرور کونین ﷺ کے مختلف اعضاء قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں

آں عتیق اللہ امام المتقیں

بود قلبِ خاشعِ سلطانِ دیں

(وہ اللہ کے عتیق' پرہیز گاروں کے پیشوا (حضرت ابوبکرؓ) اپنے خشوع وتواضع کی بنا پر گویا سلطان دین ﷺ کے دل تھے۔)

واں عمر حق گو زبانِ آنجناب

یَنْطِقُ الْحَقُّ عَلَیْہِ وَالصَّوَابُ

(اور وہ حق گو عمرؓ آنحضرت ﷺ کی وہ زبان تھے جس پر ہمیشہ حق اور درست بات جاری ہوتی تھی۔)

بود عثماں شرمگیں چشمِ نبی

تیغ زن دستِ جوادِ او علی

(حضرت عثمانؓ نبی ﷺ کی چشم شرمگیں تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے سخی اور شمشیر زن ہاتھ تھے۔)

اللہ اللہ!! کس خوبصورتی سے امام احمد رضا نے تاجدار مدینہ اور خلفاء راشدین کی موافقت اور یگانگت کو اجاگر کیا ہے کہ پہلے حسین وجمیل تشبیہات وتخیلات کے ساتھ خلفاء کو آپ کے اجزاء واعضاء ثابت کیا' پھر معنوی مناسبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کو آپ کا دل' حضرت عمرؓ کو آپ کی زبان' حضرت عثمانؓ کو آپ کی آنکھ اور حضرت علیؓ کو آپکا ہاتھ قرار دے دیا۔ ظاہر ہے کہ انسان جب اپنے اعضاء سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو اس کو نہ زبان ہلانا پڑتی ہے، نہ اشارۂ ابرو کی ضرورت ہوتی ہے ؛ بلکہ صرف ارادہ کرنا پڑتا ہے اور اعضاء خود بخود مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔ امام احمد رضاؒ فرماتے ہیں کہ خلفاء راشدین کی حضور ﷺ کے ساتھ ایسی ہی ہم رنگی وہم آہنگی تھی۔

قصد کارے کرد آں شاہِ جواد

ہر یکے اِنّی لَہٗ، گویاں ستاد

(جوں ہی وہ سخی بادشاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کام کا ارادہ کرتے تھے' ان چاروں میں سے ہر ایک یہ کہتے ہوئے کہ میں جو اس کے لئے موجود ہوں' اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔)

جنبشِ ابروٗ نہ تکلیف کلام

خود بود ایں کار آخر والسلام

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ابرو ہلانا پڑتا تھا نہ گفتگو کرنا پڑتی تھی' بلکہ (خلفاء کے توسط سے) وہ کام خود ہی پایہ تکمیل تک پہنچ جاتا تھا۔)

میرے خیال میں باہمی ربط و تعلق اور مراد فہمی و مزاج شناسی کی اس سے بہتر تصویر کشی ممکن نہیں۔ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

❁❁❁

یہ تو فارسی زبان میں خلفاء اربعہ کی مدح وثنا کی چند جھلکیاں تھیں۔ظاہر ہے کہ اردو زبان قند پارس کی شیرینی و حلاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتی' تاہم امام احمد رضاؒ نے اردو میں بھی اتنی مٹھاس سمودی ہے کہ ان کے اشعار پڑھ کر منہ میں شہد سا گھل جاتا ہے۔

پہلے وہ اشعار پیش خدمت ہیں جن میں خلفاء اربعہ کے امتیازات و اعزازات بیان کئے گئے ہیں۔

صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کو یہ خصوصی شرف حاصل ہے کہ وہ روضہ منورہ میں شہ بطحا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آرام فرما ہیں۔امام احمد رضاؒ اس معیت کو علم نجوم کی اصطلاح سے واضح کرتے ہیں۔

Marfat.com

محبوبِ ربِ عرش ہے اس سبز قبہ میں
پہلو میں جلوہ گاہ عتیقؓ وعمرؓ کی ہے
سَعْدَیْن کا قِران ہے پہلوئے ماہ میں
جھرمٹ کئے ہیں تارے، تجلی قمر کی ہے

حضرت عثمانؓ کا تاریخ عالم میں یہ امتیاز خاص ہے کہ ان کے گھر میں دونور اترے۔یعنی نور مجسم ﷺ کی دونورانی صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آئیں۔ اسی بنا پر آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔اس بے مثال اعزاز پر حضرت عثمانؓ کو تہنیت پیش کرتے ہوئے امام احمد رضاؒ عرض کرتے ہیں۔

نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا
ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

حضرت علیؓ کی کنیت ابوتراب ہے، یعنی ''خاک والا''۔ایک دفعہ ننگی زمین پر لیٹنے کی وجہ سے ان کا جسم گرد آلود ہو گیا تھا تو سرور عالم ﷺ نے ان کو اس پیار بھری کنیت سے مخاطب فرمایا تھا۔امام احمد رضاؒ اس عظمت کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

اس نے لقب خاک شہنشاہ ﷺ سے پایا
جو حیدرِ کرّار کہ مولیٰ ہے ہمارا

ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کی ران پر سر رکھے محوِ خواب تھے۔عصر کا وقت تھا۔رسول اللہ ﷺ نماز عصر پڑھ چکے تھے، جب کہ حضرت علیؓ نے ابھی نہیں پڑھی تھی۔اتنے میں عصر کا وقت قریب الاختتام ہو گیا اور سورج ڈوبنے لگا۔مولیٰ علیؓ نے نماز قضا کرنا گوارا کر لیا مگر اپنے آقا ﷺ کے آرام میں خلل ڈالنا پسند نہ کیا۔حالانکہ نماز عصر حرمت وخطر کے اعتبار سے تمام نمازوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس کی خصوصی تاکید آئی ہے۔حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (نگہبانی کرو

نمازوں کی اور درمیانی نماز کی ) اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ صلوۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ یہ فجر وظہر اور مغرب وعشاء کے درمیان ہے۔ زیادہ تاکید کے لئے اس کو باقی نمازوں سے الگ کر کے بطور خاص ذکر کیا گیا۔

امام احمد رضاؒ فرماتے ہیں کہ جس نماز کی قرآن کریم میں اس قدر تاکید وارد ہے، وہ بھی مولیٰ علی نے سرکار دو جہاں ﷺ کی نیند پر قربان کر دی۔

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

یہ واقعہ غزوۂ خیبر کا ہے۔ اس سے کئی سال پہلے ایسی ہی صورت صدیق اکبرؓ کے ساتھ بھی پیش آئی تھی، جب غار ثور میں نبی اکرم ﷺ ان کی گود میں سر رکھے استراحت فرما رہے تھے اور زہریلے سانپ نے حضرت صدیقؓ کی ایڑی پر کاٹ لیا تھا۔ شدید درد اور انتہائی تکلیف کے باوجود انہوں نے جنبش تک نہ کی کہ کہیں میرے آقا ﷺ کی نیند میں خلل نہ پڑ جائے۔ حالانکہ سانپ کے زہر سے ان کی جان جانے کا خطرہ تھا اور جان کی حفاظت تو تمام روشن اور غُرر فروض کی جان ہے۔ یہ تو اتنا بڑا فرض ہے کہ اس کے لئے قطعی حرام چیزوں کی حرمت وقتی طور پر ساقط ہو جاتی ہے۔ مثلاً بھوک پیاس سے کسی کی جان جا رہی ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ جان بچانے کی حد تک خنزیر کا گوشت کھا لے یا شراب پی لے۔ مگر صدیق اکبرؓ نے جان کی حفاظت جیسے اہم فرض سے بھی صرف نظر کیا اور سوراخ میں ایڑی جمائے بیٹھے رہے تا کہ آقا ﷺ کی نیند نہ اچاٹ ہو جائے۔

صدیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان فروضِ غرر کی ہے

یہ علیحدہ بات ہے کہ بعد میں آقائے کونین ﷺ نے لعاب دہن لگا کر حضرت صدیقؓ کو شفا بخش دی اور سورج کو لوٹا کر جناب مرتضیٰؓ کو عصر کی نماز پڑھوا دی

Marfat.com

ہاں تو نے اِن کو جان، اُنہیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

خلفاء راشدین میں سے دو عظیم خلفاء کے یکساں طرزِ عمل سے امام احمد رضاؒ نے یہ دلنشین و دلپذیر نتیجہ نکالا ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

کیا خوبصورت استدلال ہے اور کیا ہی روح پرور نتیجہ ہے۔!!

ایسی دقتِ نظر اور قوّتِ استنباط امام احمد رضاؒ کے سوا بھلا کسی کو عطا ہوئی ہے!

☆☆☆

اب چند ایسے اشعار ہدیہ قارئین ہیں جن میں چاروں خلفاء کا یکجا ذکر ہے۔
صدیق اکبرؓ کی صداقت، فاروق اعظمؓ کی عدالت، عثمان غنیؓ کی سخاوت اور علی مرتضیٰؓ کی ہمت و شجاعت مشہورِ عالم ہے۔ یہی بات امام احمد رضاؒ کتنے پیارے انداز میں بیان کرتے ہیں۔

جان و دل تیرے قدم پر وارے
کیا نصیبے ہیں تیرے یاروں کے
صدق و عدل و کرم وہمت میں
چار سو شہرے ہیں ان چاروں کے

ان چاروں کا آپس میں اس قدر اتحاد ہے کہ گویا ابوبکر عین فاروق ہے اور عثمان بعینہ علی ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

Marfat.com

تیرے چاروں ہمدم ہیں یکجان' یک دل
ابوبکر ' فاروق ' عثماں ' علی ہے

اور چاروں اپنے آقا پر ایسے نثار ہونے والے ہیں جیسے بلبل پھول پر فدا ہوتے ہیں

شیخینؓ اِدھر نثار ' غنیؓ و علیؓ اُدھر
غنچہ ہے بلبلوں کا ' یمین وشمالِ گل

پھولوں کا غنچہ تو مشہور ہے' ''بلبلوں کا غنچہ'' امام احمد رضا کی جدت طرازی ہے۔اسی مفہوم کی ادائیگی کا ایک اور انداز دیکھئے!

ابوبکر وعمر' عثمان وحیدر جس کے بلبل ہیں
ترا سروِ سہی اس گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے

فارسی اشعار کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام احمد رضاؒ جان دو عالم ﷺ کو کل قرار دیتے ہیں اور خلفاء راشدین کو آپ کے اجزاء۔اسی تخیل کی اردو میں گلپاشی ملاحظہ فرمایئے!

مولیٰ گلبنِ رحمت' زہرا' سبطین اس کی کلیاں پھول
صدیقؓ و فاروقؓ وعثمانؓ وحیدرؓ، ہر اک اس کی شاخ

❁❁❁

یوں تو خلفاء راشدین کی مدح وثنا پر مشتمل درج بالا تمام اشعار ہی دل میں اتر جانے والے ہیں مگر جو حلاوت وشیرینی اور جامعیت وانفرادیت سلام رضا میں پائی جاتی ہے اس کی تو بات ہی کچھ اور ہے!

آیئے! اس مشہور عالم سلام کے ان اشعار کا مطالعہ کرتے ہیں جن کا تعلق خلفاء اربعہ سے ہے۔ ذرا دیکھئے تو' کہ امام احمد رضاؒ نے ان کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے کیسی کیسی معنی آفرینیاں کی ہیں۔!!

Marfat.com

پہلے خلیفہِ راشد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں مسلّم ہے کہ وہ قرب الٰہی کی راہ پر چلنے والے تمام لوگوں میں سابق تھے' یعنی سبقت لے جانے والے' کیونکہ مَردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ اس پر بھی اہل سنت کا اتفاق ہے کہ جو کمال ان کو حاصل ہوا وہ کوئی دوسرا نہ پا سکا۔ یقیناً وہ اپنی کاملیّت میں اوحد و منفرد تھے۔

خاص اُس سابقِ سیرِ قربِ خدا
اوحدِ کاملیت پہ لاکھوں سلام

وہ آنحضرت ﷺ کے کمالات کا پرتو اور سایہ تھے' انتخاب خداوندی کا مایہ تھے اور ایسے خلیفہ راشد تھے کہ خود خلافت راشدہ کو ان پر ناز تھا۔

سایۂ مصطفٰے ، مایۂ اصطفا
عز و ناز خلافت پہ لاکھوں سلام

اللہ تعالیٰ نے ان کو ''اَتْقٰی'' کہا یعنی نہایت ہی متقی' جبریل امین ان کے لئے صدیق کا لقب لائے اور سرور عالم ﷺ نے ان کو اپنی آنکھ کان اور روئے زمین پر اپنا وزیر کہا۔

اصدق الصادقیں ' سیدالمتقیں
چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

وہ انبیاء کے بعد تمام مخلوقات سے افضل ہیں اور شب ہجرت ''ثانی اثنین'' (دو میں سے دوسرا) ہونے کا شرف بھی انہی کو حاصل ہے۔

یعنی اُس اَفْضَلُ الْخَلْقِ بَعْدَالرُّسُلْ
ثَانِیَ اثْنَیْن ہجرت پہ لاکھوں سلام

دوسرے خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروقؓ کا امام احمد رضاؒ نے ایک عجیب وصف بیان کیا ہے کہ وہ خدا کے ایسے دوست ہیں جن کے اعداء پر سقر (دوزخ) شیدا ہے۔ یعنی باقی تمام جہنمی تو دوزخ میں

Marfat.com

پھینکے جائیں گے جبکہ حضرت عمرؓ کے دشمنوں پر دوزخ عاشق ہے اور خود انکو ڈھونڈتی پھرتی ہے۔

وہ عمر جس کے اعداء پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

سرورِ عالم ﷺ نے انکو فاروق کا لقب دیا تھا' یعنی حق کو باطل کی آمیزش سے الگ کر دینے والے' ہدایت کے امام تھے کہ کرۂ ارض کے ایک بڑے حصے کو رشد و ہدایت کے نور سے منور کر گئے اور اَشِدَّاء عَلَی الْکُفَّار کا مکمل مصداق تھے' گویا کفار پر شدت کی سونتی ہوئی تلوار تھے۔

فارقِ حق و باطل ' امام الہدیٰ
تیغِ مسلولِ شدّت پہ لاکھوں سلام

وہ نبی ﷺ کے ترجمان و ہم زبان تھے کیونکہ نبی ﷺ بھی ہمیشہ حق کہتے تھے---اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا اور حضرت عمرؓ کی زبان پر بھی حق جاری ہوتا تھا---اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ ۔نیز عدل و انصاف کی تمام شان و شوکت انہی کے دم سے ہے' گویا وہ عدالت کی روح اور جان ہیں۔

ترجمانِ نبی ، ہم زبان نبی
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

تیسرے خلیفہِ راشد سیدنا عثمان غنیؓ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنا سب کچھ مسجد احمدی (مسجد نبوی) میں رسول اللہ ﷺ کے روبرو پیش کر دیا تھا۔اس طرح وہ خود تو زاہد بن گئے مگر ''جیش عسرت'' یعنی تنگدستی والے لشکر کو دولت سے مالا مال کر گئے۔

زاہدِ مسجدِ احمدی پر درود
دولتِ جیشِ عسرت پہ لاکھوں سلام

وہ جامع القرآن ہیں' یعنی قرآن کریم کے متفرق نسخوں کو یکجا کرنے والے، گویا قرآن کے

بکھرے موتیوں کے لئے انتہائی قیمتی سلک اور لڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو یہ اعزاز خاص بھی حاصل ہے کہ وہ عفت و پاکیزگی کے دونوروں، یعنی جان جہان ﷺ کی دو صاحبزادیوں کے یکے بعد دیگرے شوہر بنے۔

دُرِ منثورِ قُرآں کی سلکِ بہی
زوجِ دو نورِ عفّت پہ لاکھوں سلام

سرور عالم ﷺ نے ان کو فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا' یعنی خلافت و ہدایت کا قمیص۔ کچھ لوگ اسے تمہارے بدن سے اتارنا چاہیں گے مگر تم نہ اتارنا۔ انہوں نے اپنے آقا ﷺ کے فرمان کی یوں لاج رکھی کہ شہادت کا حُلّہ پہن لیا مگر اس قمیص کو اتارنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

یعنی عثمان صاحب قمیصِ ہدیٰ
حُلّہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

چوتھے خلیفہ راشد سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ شیر خدا ہیں اور تمام بہادروں سے بڑھ کر بہادر ہیں۔ ان کی شجاعت و بہادری کے واقعات سے حدیث اور تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ نیز جنت میں دودھ اور شہد کی نہروں سے اور حوض کوثر سے لوگوں کو شیر و شربت کے جام پلائیں گے۔

مرتضیٰ شیرِ حق ' اشجع الاشجعین
ساقیِ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

وہ صفائی اور پاکیزگی سے متصف نسل، یعنی رسول اللہ ﷺ کی اولاد کیلئے اصل ہیں' وصل خداوندی کا ذریعہ ہیں اور ولایت کی تمام فصلوں کے لئے باب ہیں۔ یعنی جس طرح کتابوں میں ایک باب ہوتا ہے اور اس کے ذیل میں متعدد فصلیں ہوتی ہیں' اسی طرح حضرت علیؓ کی حیثیت باب جیسی ہے اور ولایت کے بیشتر سلسلے انہی کی فصلیں اور شاخیں ہیں۔

اصلِ نسلِ صفا ' وجہِ وصلِ خدا
بابِ فصلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

وہ اہل رفض' یعنی حبِّ اہل بیت کے جھوٹے دعوے داروں اور اہلِ خروج' یعنی حضرت علیؓ سمیت دیگر صحابہ کرامؓ پر اعتراض کرنے والوں کو سب سے پہلے دفع کرنے والے ہیں اور ملت کے چار ارکان یعنی خلفاء راشدین میں سے چوتھے رکن ہیں۔

اولیں دافعِ اہل رفض و خروج
چارمی رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام

مندرجہ بالا (۵۰) اشعار میں سے بیشتر نعتیہ ہیں۔ یعنی امام احمد رضاؒ نے صحابہ کرامؓ کی منقبت اس انداز میں بیان کی ہے کہ وہ نعت مصطفیٰ ﷺ بن گئی ہے۔ اگر اُن اشعار کو بھی جمع کیا جائے جن میں خصوصی طور پر صحابہ کرامؓ کے مناقب بیان کئے گئے ہیں تو پھر تعداد کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

اب آپ ہی بتایئے قارئین کرام! کہ صحابہ کرام اور خصوصاً خلفاء راشدین کی مدح وثنا اس بھرپور انداز میں امام احمد رضا کے سوا' ان کے معاصرین میں سے کس نے کی ہے۔؟!

## آہ!

کہ اصحاب رسول ﷺ کے ایسے عاشق زار کو بھی "البریلویہ" کے مصنف نے شیعہ لکھ دیا ہے۔

کیا امانت و دیانت کو پائمال کرنے اور حق وصداقت کا خون کرنے کی اس سے بدتر صورت بھی کوئی ہوسکتی ہے۔!!؟

Marfat.com

# جن کا حملہ

(ایک سچا واقعہ، جسے پڑھتے ہوئے آپ کے لئے ہنسی روکنا مشکل ہو جائے گا۔)

قارئین کرام! آج آپ کو اس دور کا ایک قصہ سناتا ہوں جب میری عمر انیس، بیس سال کے قریب تھی۔ مستیوں کا زمانہ اور شرارتوں کے دن۔ ان دنوں میری رہائش مسجد کے عقب میں پانی کی ٹینکی کے ساتھ بنے ہوئے تین کمروں میں سے ایک میں تھی۔ ایک کمرہ اوپر تھا اور دو نیچے۔ میرا بستر اوپر والے کمرے میں تھا۔ میرے پھوپھی زاد بھائی قاضی بدرالدجی صاحب بھی قرآن کریم یاد کرنے کے سلسلے میں میرے ساتھ ہی کمرے میں قیام پذیر تھے۔

حضرت معظمؒ (راقم کے والد ماجد) کے ایک ارادتمند ڈاکٹر صاحب ہمارے بے تکلف دوست تھے۔ وہ جب بھی آتے، ہمارے ساتھ قیام کرتے۔ اوپر والے کمرے میں چونکہ دو چارپائیوں سے زیادہ گنجائش کی نہیں تھی اور نچلے کمروں میں سونے پر ڈاکٹر صاحب رضامند نہیں ہوتے تھے اس لئے ان کے لئے اسی کمرے کے آگے جو چھوٹا سا صحن ہے، اس میں چارپائی ڈال دی جاتی تھی۔ حضرت معظمؒ سے بیعت ہونے سے پہلے ڈاکٹر صاحب تسخیر جنات کے عملیات وغیرہ کیا کرتے تھے۔ بیعت کے بعد انہوں نے یہ مشغلہ ترک کر دیا تھا مگر کہتے تھے کہ اب ہر وقت جنات مجھے تنگ کرتے رہتے ہیں۔

ایک دفعہ گرمیوں کے دن تھے کہ ڈاکٹر صاحب آوارد ہوئے اور حسب معمول ہمارے ہی ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔

رات کو میں اور قاضی صاحب کمرے میں پنکھا چلا کر لیٹے اور ڈاکٹر صاحب صحن میں۔ ابھی پوری طرح آنکھ نہیں لگی تھی کہ صحن سے ہُش، ہُش، ہوں، ہُش، قسم کی آوازیں آنے لگیں۔ ہم نے

Marfat.com

آنکھیں کھولیں تو ڈاکٹر صاحب کو حیران و پریشان چارپائی پر بیٹھے دیکھا۔ پوچھنے پر ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ایک جن تنگ کر رہا ہے۔

''کیا کرتا ہے؟ کس طرح تنگ کرتا ہے؟'' ہم نے حیرت سے پوچھا۔

''پسلی میں انگلی چبھوتا ہے، خبیث۔'' انہوں نے فرمایا۔

''مگر یہ آپ ہش ہش کیا کر رہے تھے؟'' قاضی صاحب نے پوچھا۔

''اسی خبیث کو بھگانے کے جتن کر رہا تھا۔'' ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔

ہمیں سمجھ تو نہ آئی کہ ہش ہش کرنے سے جن کیوں ڈرتا اور بھاگتا ہے مگر اس وقت نیند کا غلبہ تھا، اس لئے ڈاکٹر صاحب کو تسلی دی کہ اب تو بھاگ گیا ہے۔ نیز انگلی چبھونا کوئی ایسی خطرناک حرکت بھی نہیں ہے کہ آپ اتنے پریشان ہوں اس لئے آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھ کر سو جائیں۔

ہمارے کہنے سننے پر اس وقت تو ڈاکٹر صاحب لیٹ گئے، مگر گھنٹے دو گھنٹے بعد پھر وہی تماشا!

''اب کیا ہے؟'' ہم نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''سر پر ٹھونگے مارتا ہے اور کان میں ٹک ٹک کرتا ہے خبیث۔'' ڈاکٹر صاحب نے بتایا۔

صبح کے قریب ڈاکٹر صاحب کو دو چھینکیں آئیں تو انہوں نے بتایا کہ خبیث نے ناک میں تنکا پھیر دیا تھا۔

غرضیکہ رات اسی طرح سوتے جاگتے گذر گئی، لیکن جب دوسری رات اور پھر تیسری رات بھی ''خبیث'' کی شرارتوں کی نذر ہو گئی تو ہم تنگ آ گئے۔ ڈاکٹر صاحب تو دن کو لمبی تان کر سو جاتے تھے۔ مگر ہم نے قرآن شریف یاد کرنا ہوتا تھا اس لئے نہ دن کو نیند ہو سکتی، نہ رات کو۔ چوتھی رات کو تو حد ہو گئی۔ ایک بجے کا وقت ہو گا کہ اچانک ڈاکٹر صاحب نے شور مچا دیا کہ ''پکڑا گیا، پکڑا گیا۔'' ہم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ دیکھا تو ڈاکٹر صاحب نے اپنی انگشت شہادت چارپائی کے پائے کے اوپر رکھی ہوئی ہے اور پوری قوت سے اس کو نیچے دبا رہے ہیں۔ ساتھ ہی کسی نادیدہ ہستی کو بڑے جوش سے کہہ رہے ہیں۔

Marfat.com

''آئے ہونا آج قابو! روز شرارت کر کے بھاگ جاتے تھے۔ آخر پکڑے گئے ہونا۔''

''کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب؟ کون پکڑا گیا ہے؟'' ہم نے نیم خوابی کے عالم میں پوچھا۔

''وہی خبیث جن، اور کون؟'' ڈاکٹر صاحب نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

یہ سنتے ہی ہم جن کی زیارت کے شوق میں ایک دم کمرے سے باہر نکل آئے مگر جن کہیں نظر نہ آیا۔

''کدھر ہے جن؟'' ہم نے پوچھا۔

''اِدھر--- میری انگلی کے نیچے'' ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس انگلی کی طرف اشارہ کیا جو پائے کے اوپر رکھی ہوئی تھی۔

''انگلی کے نیچے تو پایہ ہے!''

''پائے اور انگلی کے درمیان جن ہے۔''

ہم حیران رہ گئے--- بھلا اتنا ذرا سا جن کس کام کا جو انگلی کی ایک پور کے نیچے دب گیا، مگر ڈاکٹر صاحب نے کہا ''توبہ کریں جی، بہت بڑا جن ہے۔ بہت ہی بڑا--- اس وقت تو میرے عمل کے زور سے سکڑ گیا ہے۔''

ہم نے اس سے پہلے کبھی پھیلا ہوا جن دیکھا تھا، نہ سکڑا ہوا۔ اب سکڑا ہوا جن قابو میں تھا تو اس کو دیکھنے کی آرزو مچل اٹھی لیکن اسی دوران ڈاکٹر صاحب نے انگلی پر مزید دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ کہنے لگے

''بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے--- خبیث نکلنا چاہتا ہے--- ارے ارے نکل رہا ہے--- اِدھر آیئے ذرا--- میری انگلی کو آپ بھی دبایئے--- جلدی کیجئے--- اوہ، اوہ، افوہ--- نکل گیا۔''

ڈاکٹر صاحب ہاتھ ملنے لگے

''مگر نکل کیسے گیا---؟ آپ نے تو اسے انگلی تلے اچھی طرح دبا رکھا تھا؟''

Marfat.com

''دراصل آپ کے ساتھ بات چیت کرنے میں اس کی طرف سے ذرا سا دھیان ہٹا ہی تھا کہ خبیث نیچے سے کھسک گیا اور میرا خیال ہے یہ کہیں باہر سے نہیں آتا۔ اِدھر مدرسے میں ہی رہتا ہے۔''

''مدرسے میں---؟ بھلا جن کا مدرسے سے کیا تعلق؟'' ہم نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ کو نہیں پتہ؟'' ڈاکٹر صاحب کو ہماری کم علمی پر افسوس ہوا۔ ''جنات انسانی شکل میں مدرسوں میں رہتے ہیں، سکولوں، کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ آج کل تو بڑے ماڈرن ہو گئے ہیں، فٹ بال اور ہاکی بھی کھیلتے ہیں۔ یہ جن بھی اسی مدرسے میں پڑھتا ہوگا اور رات کو مجھے چھیڑنے اور ستانے آجاتا ہوگا۔''

''لیکن یہ پتہ کس طرح چلے کہ کون سا طالب علم جن ہے؟'' ہم نے سوال کیا۔

''میں ایک منٹ میں پہچان لوں گا۔'' ڈاکٹر صاحب نے چٹکی بجائی ''ان کی کچھ مخصوص نشانیاں ہوتی ہیں، جن سے ہم عامل لوگ ان کو پہچان جاتے ہیں۔ خواہ یہ کسی بھی شکل میں ہوں۔''

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت رامے شناسم

اگلی صبح طلباء میں جن کی تلاش کا آغاز ہوا۔ ان دنوں درجۂ حفظ میں ایک طالب علم پڑھتا تھا۔ کالا سیاہ رنگ، چھوٹی چھوٹی اندر کو دھنسی ہوئی سرخ آنکھیں، الجھے بکھرے بال اور توانا و مضبوط جسم --- یہ تھا مولوی طاہر، شرارتوں کا ماہر۔ اس پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر صاحب نے سرگوشی کی ''یہی ہے، یہی ہے، میں ابھی اس پر ذکر قلبی چھوڑتا ہوں اور جلا کر بھسم کر دیتا ہوں۔''

ہم یہ تو جانتے تھے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے اور اس کو ذکر قلبی کہا جاتا ہے، لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ قلبی ذکر کو کسی پر چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب نے ایک لمبی ''ہُو'' کی اور پوری قوت سے مولوی طاہر پر ذکر چھوڑ دیا۔ تین چار دفعہ یہ عمل دہرانے کے باوجود جب خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو ہمیں ہنسی آ گئی۔ مولوی طاہر پہلے تو حیرت سے ہم کو سرگوشیاں کرتے اور ڈاکٹر صاحب کو

Marfat.com

شو،شو، کرتے دیکھتا رہا۔ پھر اپنا سبق یاد کرنے لگا۔ اتفاق سے اس دن اس کا سبق سورۂ یٰسین کا تھا۔ ڈاکٹر صاحب فوراً بولے۔

''دیکھا! دیکھا آپ نے؟ خبیث نے اپنے بچاؤ کے لئے سورۂ یٰسین کا ورد شروع کر دیا ہے، اب میں کسی اور وقت میں اس کے جلانے کا بندوبست کروں گا۔''

بہر حال یہ تو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ جن یہی ہے۔ اب اسے جلانے کے لئے ڈاکٹر صاحب کسی مناسب موقع کے انتظار میں تھے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب کو مشورہ دیا کہ اس کو رات بارہ بجے کے قریب اوپر بلا لیں گے اور وہیں آپ اسے جلا ڈالیں تا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تجویز سے اتفاق کیا تو ہمارے ذہن میں جن سے جان چھڑانے کا ایک اچھوتا خیال ابھرا۔ چنانچہ ہم نے اپنی جگہ مولوی طاہر کو ساری صورت حال بتائی اور کہا کہ آج رات کو تم نے جن بننا ہے۔ وہ بخوشی تیار ہو گیا اور ہم نے اس کو پورا منصوبہ سمجھا دیا۔

رات کو ہم تینوں کمرے میں بیٹھے اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک بارہ بجے کے لگ بھگ مولوی طاہر خود ہی اوپر چڑھ آیا اور پلکیں جھپکائے بغیر ڈاکٹر صاحب کو گھورنے لگا۔ اس وقت وہ سچ مچ جن لگ رہا تھا۔ میں اور قاضی صاحب اٹھ کر باہر نکل آئے اور وہ اندر جا کر ڈاکٹر صاحب کے پاس چارپائی پر بیٹھ گیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق اسی وقت ایک دوست نے نیچے سے مین سوئچ آف کر دیا۔ اندھیرا ہوتے ہی ڈاکٹر صاحب نے جلدی سے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر مولوی طاہر نے ان کو پکڑ لیا۔ اب ڈاکٹر صاحب باہر جانے کے لئے زور لگا رہے ہیں اور مولوی طاہر ان کو اندر کھینچتے ہوئے کہہ رہا ہے ''مجھے جلانا چاہتے تھے تم؟ ابھی پتہ چل جائے گا کہ کون کس کو جلاتا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب نے کئی دفعہ شوشو کر کے اس پر ذکر بھی چھوڑا، مگر بے سود۔

دیر تک دھینگا مشتی، کھینچا تانی اور حرب وضرب کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر ڈاکٹر صاحب کسی نہ کسی طرح اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے اور گرتے پڑتے سڑھیوں سے نیچے اتر گئے۔

ان کے جانے کے بعد مولوی طاہر بھی کھسک گیا۔ چند لمحوں بعد ہم نیچے اترے تو ڈاکٹر صاحب کو صحن مسجد کے پاس خوفزدہ حالت میں پایا۔ قاضی صاحب نے پوچھا۔

''یہ کیا ڈاکٹر صاحب!؟---اس کو جلانے کے بجائے آپ خود ہی بھاگ کھڑے ہوئے!''

ڈاکٹر صاحب نے کہا ''بہت بدمعاش اور خوفناک جن ہے یہ---آپ نے دیکھا نہیں اس نے کس طرح اپنے تصرف سے بجلی بجھادی تھی۔''

''ہاں! یہ تو ہے۔'' ہم نے بھی مسمسی صورت بنا کر اعتراف کیا ''مگر اب کیا ہوگا؟''

''ہوگا کیا---میرے بس سے یہ باہر ہے۔ صبح حضرت معظمؒ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اس بلا سے میری جان چھڑائیں۔ یہ خبیث تو جان کو آ گیا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب دوبارہ کمرے میں واپس آنے پر آمادہ نہیں تھے مگر ہم کھینچ کھانچ کر ان کو ساتھ لے ہی آئے؛ البتہ حفاظتی تدبیر کے طور پر ان سے کہا کہ آپ کمرے میں دروازہ بند کر کے سو جائیں، ہم صحن میں لیٹ جائیں گے کیونکہ موجودہ حالات میں آپ کا باہر لیٹنا مناسب نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس تحفظ کو غنیمت جانا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے لیٹ گئے؛ البتہ گرمی کی وجہ سے دوسرے جانب والی کھڑکی کھلی چھوڑ دی۔

مولوی طاہر بھی ایک ہی شریر تھا۔ اس نے ایک لمبی لاٹھی کے سرے پر دھجیاں وغیرہ لپیٹیں، ان پر مٹی کا تیل چھڑکا اور ابھی ہم سونے بھی نہ پائے تھے کہ اس نے ان دھجیوں کو آگ لگا کر اسی کھڑکی کے سامنے کر دیا جو کھلی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے کھڑکی کے پاس سرخ سرخ شعلوں کو رقصاں دیکھا تو اٹھ کر بے تحاشا بھاگے۔ کہنے لگے

''حملہ کر دیا ہے خبیث نے---اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو گیا ہے---آگ کی شکل میں۔ یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں اسی وقت جا کر حضرت معظمؒ کے سامنے فریاد کرتا ہوں۔''

ہمارے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی---اگر حضرت معظمؒ کو اس قصے کا پتہ چل جاتا تو وہ فوراً سمجھ

Marfat.com

جاتے کہ یہ شرارت کس کی ہے۔ کیونکہ وہ ہماری رگ رگ سے واقف تھے---اور پھر نہ پوچھئے کہ ہمارا کیا حشر ہوتا!

ہم نے ڈاکٹر صاحب کی منت سماجت کی، شیخ کے آرام میں خلل ڈالنے کے ہولناک انجام سے آگاہ کیا اور ہر طرح سے انہیں باز رکھنے کی کوشش کی، مگر وہ نہ مانے اور حضرت معظم کو مطلع کرنے پر اصرار کرتے رہے۔ کہنے لگے ''میری جان پر بنی ہے اور آپ کو تصوف کے مسئلے سوجھ رہے ہیں۔''

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا جاتا۔ چنانچہ انہیں ساری تفصیل بتائی گئی۔ مولوی طاہر کو بھی بلایا گیا۔ اس نے تصدیق کی کہ میں خالص انسان ہوں۔ فلاں گاؤں کا رہنے والا ہوں اور میرے باپ کا یہ نام ہے۔ یہاں میرے گاؤں کے اور لڑکے بھی پڑھتے ہیں، آپ ان سے پوچھ لیں۔

غرضیکہ بڑی مشکل سے ہم ڈاکٹر صاحب کو یقین دلانے میں کامیاب ہوئے کہ یہ سب کچھ ڈرامہ تھا۔

اصل واقعات جاننے کے بعد ڈاکٹر صاحب بری طرح جھینپ گئے اور ہماری طرف دیکھتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہنے لگے

''استغفر اللہ، توبہ توبہ---ذرا اِن کی نمازیں دیکھو، اِن کے روزے دیکھو، اِن کی تلاوتیں دیکھو اور ان کی شرارتیں دیکھو، توبہ، توبہ!''

ہم نے کہا ''ڈاکٹر صاحب! ہم کیا کرتے! پانچ راتوں سے مسلسل بے خوابی کا شکار ہیں۔ آپ نہ خود سوتے ہیں، نہ ہمیں سونے دیتے ہیں۔ ہم نے یہ سب کچھ آپ کا وہم دور کرنے کے لئے کیا ہے۔''

اس واقعہ کے بعد ڈاکٹر صاحب کو کبھی کسی جن نے تنگ نہیں کیا---اور اگر کیا بھی ہو تو انہوں نے ہمارے سامنے ذکر نہیں کیا۔

Marfat.com

# رؤیتِ ھلال

اُمتِ مسلمہ---کا---اہم مسئلہ

**قارئین کرام!**

گذارش ھے کہ براہ مہربانی اپنے نہایت ھی قیمتی اور مصروف اوقات میں سے چند لمحے نکال کر ان مضامین کو ایک دفعہ بغور پڑھ لیجئے! اگر آپ کا دل اس موقف کی درستگی کی گواھی دے اور آپ پوری طرح میرے ساتھ متفق ھوں تو اپنے اپنے وسائل کے مطابق اس نظرئیے کی نشر و اشاعت میں بھر پور حصہ لیجئے اور لوگوں کی غلط فُھمیاں دور کرکے انھیں صحیح مسئلے سے آگاہ کیجئے! شکریہ!

(قاضی عبدالدائم دائمؔ)

Marfat.com

# رؤیت ہلال ------ ایک اہم مسئلہ

مطبوعہ روز نامہ جنگ 16مارچ 1993ء

''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں اس دفعہ عیدالاضحیٰ افغان مہاجرین نے ۲ جولائی کومنائی جبکہ پشاور میں ۳ جولائی کواور ہزارہ سمیت باقی تمام ملک میں ۴ جولائی کومنائی گئی۔(یہ تحریر ۱۹۹۳ء میں لکھی گئی تھی، ویسے ہر سال تقریباً یہی صورت حال پیش آتی ہے۔) اس طرح ایک خدا، ایک رسول اور ایک قرآن کو ماننے والوں اور ایک ہی ملک میں بسنے والوں نے ایک ہی اسلامی تہوار کو تین مختلف ایام میں منا کر جس لامرکزیت، بدنظمی اور انتشار کا مظاہرہ کیا ہے اور بابائے قوم کے دو زریں اصولوں تنظیم واتحاد کی جس طرح دھجیاں اڑائی ہیں اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

اس سے پہلے عیدالفطر کے موقع پر بھی یہی صورت پیش آئی تھی۔ حالانکہ پاکستان کی تاریخ میں اس دفعہ پہلی بار پورے ملک میں رمضان کا آغاز ایک ہی دن سے ہوا تھا۔ پوری قوم خوش تھی کہ اس مرتبہ عید بھی متفقہ ہوگی مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی 9:00 بجے اپنا فیصلہ سنا کر اٹھ گئی اس لئے بعد میں پہنچنے والی شہادتیں اس تک نہ پہنچ سکیں اور مجبوراً صوبائی رؤیت ہلال کمیٹی کو اپنے طور پر عید کا اعلان کرنا پڑا۔ چنانچہ پشاور کے قرب وجوار میں اور پنجاب کے بعض علاقوں (میانوالی اور بھکر وغیرہ) میں ایک دن پہلے عید منائی گئی اور باقی ملک میں ایک دن بعد۔

دینی مسائل میں اسی طرح کی لاپرواہی کا گناہ کس پر ہوگا---؟ عوام پر یا مرکزی اور صوبائی رؤیت ہلال کمیٹیوں پر جو عید و رمضان جیسے دینی شعائر میں اس قدر غفلت کا مظاہرہ کرتی ہیں کہ لوگ رمضان میں عید منانے کے مجرم بن جاتے ہیں یا عید کے دن روزہ رکھنے کے گنہگار ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

متحدہ عرب امارات اور دیگر عربی ممالک کی اکثریت سعودی عرب کے ساتھ روزہ رکھتی اور عید مناتی ہے۔ ہمارے پڑوس میں واقع ملک افغانستان میں بھی، جہاں کی بیشتر آبادی حنفی فقہ کی پیروکار ہے اور ان میں بڑے بڑے علماء اور مشائخ موجود ہیں، سعودی عرب کے ساتھ روزہ رکھا جاتا ہے اور عید منائی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ باقی اسلامی ممالک اس طریقہ پر عمل پیرا کیوں نہیں ہوتے اور پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن رمضان اور عیدین منا کر ملت اسلامیہ کی وحدت کا مظاہرہ کیوں نہیں کرتے؟

بعض علماء کہتے ہیں کہ سعودی عرب کا مطلع ہم سے مختلف ہے، ہوسکتا ہے کہ مغرب کی جانب واقع ہونے کی وجہ سے وہاں چاند نظر آ جائے اور یہاں نظر نہ آئے اس لئے ہم ان کی پیروی نہیں کر سکتے۔

جواباً عرض ہے کہ مطلع مختلف ہونے کا نظریہ صحیح اور متفق علیہ حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد موجود ہے کہ

''صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ'' (چاند دیکھ کر روزہ رکھا کرو اور چاند دیکھ کر عید کیا کرو)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رمضان کا چاند نظر آنے پر روزہ رکھنا اور شوال کا چاند نظر آنے پر عید منانا پوری ملت اسلامیہ پر فرض ہے کیونکہ ''صوموا'' اور ''افطروا'' کا خطاب تمام مسلمانوں کو ہے، خواہ ایک شہر، ایک ملک اور ایک علاقہ میں رہتے ہوں یا مختلف شہروں، علاقوں اور ملکوں میں بستے ہوں اور جس طرح ایک شہر یا علاقے میں چاند نظر آنے پر دوسرے شہروں اور علاقوں میں اس کا اتباع ضروری ہے اسی طرح ایک ملک میں چاند نظر آنے سے باقی تمام ممالک پر اس کی پیروی لازم ہے۔

سرور عالم ﷺ کے اسی ارشاد کے پیش نظر فقہائے احناف نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ مغربی ممالک میں چاند نظر آ جائے تو مشرقی ممالک کو اس کے مطابق عمل کرنا پڑے گا۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے کہ---''واختلاف المطالع غیر معتبر .....

Marfat.com

فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب۔"

اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے مغرب والوں کو چاند دکھائی دے تو مشرق والوں پر اس کا اتباع لازمی ہوگا۔ (درمختار، ج ۱ ص ۱۴۹)

حنفی فقہ کے علاوہ مالکی اور حنبلی فقہ میں بھی اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں "وهو المتعمد عندنا و عند المالكية والحنابله "یعنی اختلاف مطالع کے غیر معتبر ہونے پر ہمارا بھی اعتماد ہے اور مالکیوں اور حنبلیوں کا بھی (شامی، ج ۴ ص ۱۰۵)

علامہ جزری لکھتے ہیں "ولا عبرة باختلاف مطلع الهلال مطلقا عند ثلاث من الائمه "یعنی تین اماموں کے نزدیک اختلاف مطلع کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔"

(الفقه علی المذاهب الاربعه، ج ۱ ص ۵۵۰)

ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے تین اماموں یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور ان کے فتویٰ کے مطابق دنیا کے کسی بھی حصہ میں چاند نظر آ جائے تو باقی تمام دنیا میں اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ صرف امام شافعیؒ اختلاف مطالع کو ملحوظ رکھتے ہیں مگر شافعیوں کے ہاں بھی اس پر اتفاق نہیں ہے، بلکہ بعض شافعی علماء اختلاف مطلع کو غیر معتبر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں "وقال بعض اصحابنا تعم الرؤية فی موضع جمیع اهل الارض "ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ کسی ایک جگہ چاند کا نظر آنا تمام روئے زمین کو شامل ہے۔ (حاشیہ نووی علی صحیح مسلم، ج ۱ ص ۳۴۸)

برصغیر کی اکثریت جن علماء کی پیروی کرتی ہے ان کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں "ہمارے ائمہ کے مذہب صحیح معتمد میں دربارۂ ہلال رمضان وعید، فاصلہ بلاد کا اصلاً اعتبار نہیں ہے۔ مشرق کی رؤیت مغرب والوں پر حجت ہے وبالعکس" (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۵۶۸)

مولانا امجد علی لکھتے ہیں "ایک جگہ چاند ہو تو وہ صرف وہیں کے لئے نہیں بلکہ تمام جہان کے

Marfat.com

لئے ہے۔'' (بہارشریعت ج۲ص۱۰۸)

مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں ''اگر کلکتہ میں چاند جمعہ کی رات کونظر آیا اور مکہ میں خمیس (جمعرات) کی رات کواور کلکتہ والوں کو پتہ نہ چل سکا کہ مکہ میں رمضان خمیس سے شروع ہو چکا ہے، تو جب بھی ان کواس بات کا پتہ چلے گا ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ عید مکہ والوں کے ساتھ منائیں اور پہلا روزہ قضا کریں'' (ملخصاً) (کوکب دری، شرح ترمذی، ص۳۳۶)

اب اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ مطالع مختلف ہونے کا نظریہ صحیح حدیث اور فقہائے کرام کی تحقیق کے خلاف ہے اس لئے یکسر چھوڑ دینے کے قابل ہے۔

نہ جانے پاکستان میں اختلاف مطالع پر کیوں اتنا زور دیا جاتا ہے، حالانکہ جب یہ طے ہے کہ دنیا بھر میں کسی ایک جگہ چاند نظر آنے سے تمام روئے زمین پر اس کے مطابق عمل کرنا فرض ہے تو پھر ہم کس قاعدے اور قانون کے تحت عرب ممالک سے کبھی ایک دن بعد روزہ رکھتے ہیں، کبھی دو دن بعد---؟ کیا ہم اس طرح رمضان میں روزہ خوری اور عید کے دن روز رکھنے کے گنہگار نہیں ہوتے---؟

ہمارے اس غیر اسلامی طرز عمل کی وجہ سے اتنی الجھنیں پیدا ہو چکی ہیں کہ ان کا حل شاید ہی کسی کے پاس ہو مثلاً:

(۱) جو پاکستانی دیار عرب میں ہم سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنے کے بعد عید منانے کے لئے پاکستان آتے ہیں، ان کو کبھی اکتیس اور کبھی بتیس روزے رکھنے پڑتے ہیں۔ اب تیس سے زائد روزے فرضی ہوں گے یا نفلی؟ اگر کہا جائے کہ فرضی ہوں گے تو اس صورت میں ان کے لئے رمضان کو تیس دن سے زائد ماننا پڑے گا حالانکہ حدیث کے مطابق رمضان زیادہ سے زیادہ تیس دن کا ہوتا ہے اور اگر کہا جائے کہ نفلی ہوں گے تو کیسے؟ جبکہ یہاں عید کا چاند ابھی نظر ہی نہیں آیا۔ کیا رمضان اور شوال کے درمیان نفلی روزوں کی بھی گنجائش ہے۔؟

Marfat.com

(۲) جولوگ مسجد حرام یا مسجد نبوی میں اعتکاف کے لئے پاکستان سے جاتے ہیں، ان کے کبھی ستائیس روزے ہوتے ہیں، کبھی اٹھائیس۔ جس قدر بھی روزے کم ہوں گے ان کی قضا لازم ہے یا نہیں؟ اگر کہا جائے کہ لازم ہے تو پہلے روزوں کی یا آخری روزوں کی؟ پہلے روزوں کی اس لئے نہیں ہوسکتی کہ یہاں کے فتویٰ کے مطابق اس وقت رمضان شروع ہی نہیں ہوا تھا اس لئے وہ روزے ان پر فرض ہی نہیں تھے اور جب فرض نہیں تھے تو قضا کیسی؟ اور آخری روزوں کی قضا اس لئے نہیں ہوسکتی کہ اس وقت وہاں عید کا چاند نظر آ گیا تھا اور چاند دکھائی دینے کے ساتھ ہی روزوں کی فرضیت ختم ہوگئی تھی۔ ان کی قضا کا کیا مطلب؟ اور اگر کہا جائے کہ وہ لوگ کوئی بھی روزہ قضا نہیں کریں گے تو اس صورت میں ان کا رمضان ستائیس یا اٹھائیس کا ہوگا، کیا شرعاً ایسا ہوسکتا ہے؟

(۳) یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ لیلۃ القدر پورے سال میں صرف ایک مرتبہ ہوتی ہے اور جمہور کی رائے کے مطابق ستائیسویں شب کو ہوتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ عربوں کی ستائیس معتبر ہوگی یا ہماری؟

(۴) اس حقیقت میں تو ذرا برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ یوم عرفہ پورے روئے زمین پر سال بھر میں صرف ایک مرتبہ آتا ہے۔ یعنی اس روز جب دنیا بھر سے آئے ہوئے حجاج کرام میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں اور فریضۂ حج ادا کرتے ہیں، لیکن تعجب کی بات ہے کہ یوم عرفہ گزر چکا ہوتا ہے اور لوگ ٹی وی پر حج کے مناظر دیکھ کر فارغ ہو چکے ہوتے ہیں مگر پاکستان میں کہا جا رہا ہوتا ہے کہ کل ''حج'' ہوگا اور پرسوں عید ہوگی!!

صرف یہی نہیں، کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ سعودی عرب سے قربانیوں کا گوشت پاکستان پہنچ کر افغان مہاجرین میں تقسیم بھی ہو چکا ہوتا ہے اور یہاں ابھی ''حج'' بھی نہیں ہوا ہوتا، قربانی تو دور کی بات ہے۔

غرضیکہ ایسی ہی بیسیوں الجھنیں ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے۔ داد دینی پڑتی ہے فقہائے کرام کی دوررس نگاہوں کی کہ انہوں نے امت مسلمہ کو انہی لاینحل الجھنوں سے بچانے کے لئے صدیوں

پہلے یہ طے کر دیا تھا کہ کسی ایک جگہ چاند نظر آنے سے پوری دنیا میں اس پر عمل کرنا لازمی ہو جاتا ہے حالانکہ جس دور میں انہوں نے یہ فتویٰ دیا تھا اس وقت نہ برقی آلات سے پیغام رسانی ہوتی تھی، نہ ریڈیو اور ٹی وی جیسے ذرائع اطلاعات موجود تھے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج کل اطلاعات ونشریات کے جدید ترین وسائل موجود ہونے کے باوجود ہم نے علیحدہ علیحدہ عیدیں منانے کا شغل شروع کر رکھا ہے اور بدنظمی اور انتشار کے ایسے ایسے مظاہرے کر رہے ہیں کہ غیر مسلم ہم پر ہنستے ہیں اور ہمارے افتراق اور اختلاف کو دیکھ کر پھولے نہیں سماتے---!!

راقم الحروف کی دلی آرزو ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں رمضان اور عیدین ایک ہی ہوں تاکہ ملت اسلامیہ کی وحدت کا سہانا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔ اس کے لئے راقم الحروف کی تجویز یہ ہے کہ ایک

## "بین الاسلامی رؤیت ہلال کمیٹی"

بنائی جائے اس میں تمام اسلامی ممالک سے ایک ایک نمائندہ شامل کیا جائے۔ اس کمیٹی کا مرکزی دفتر مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں ہو جہاں رمضان وعیدین کے لئے پوری دنیا سے چاند کی شہادتیں حاصل کرنے کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ جونہی شہادتیں مکمل ہوں، تمام نمائندگان جمع ہوں اور بیت اللہ شریف یا گنبد خضرا کے سائے میں متفقہ اعلان کر دیں جسے براہ راست تمام اسلامی ممالک کے لئے ٹیلی کاسٹ کر دیا جائے۔

سوچیے تو---! اس طرح اتفاق واتحاد امت کا کیسا دلکش اور حسین نظارا دیکھنے کو ملے گا۔ اگر اس تجویز پر عمل کیا جائے تو تمام الجھنوں سے نجات مل جائے گی اور پوری اسلامی دنیا ایک ہی لڑی میں پروئی جائے گی لیکن یہ کام کسی عام آدمی کے بس کا نہیں۔ یہ وزارت مذہبی امور کے کرنے کا کام ہے۔ اس کے لئے سعودی عرب سمیت تمام اسلامی ممالک سے رابطہ کرنا اور ان کو اس کی اہمیت اور

Marfat.com

افادیت سے آگاہ کرنا پڑے گا۔

امید ہے کہ یہ تجویز تمام مسلمانوں کے دل کی آواز ثابت ہوگی اور جملہ اسلامی ممالک اس سلسلے میں بھرپور تعاون کریں گے۔

اگر کسی حکومت کی کوششوں سے تمام عالم اسلام رمضان، عیدین اور دیگر اسلامی ایام ایک ہی دن منانے پر متفق ہوگیا تو یہ ایک ایسا کارنامہ ہوگا، جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ والسلام

❁❁❁

یہ مضمون پہلے ماہنامہ جامِ عرفاں، ہری پور ہزارہ میں شائع ہؤا، پھر اس کی تلخیص روزنامہ جنگ میں "رؤیت ہلال --- ایک اہم مسئلہ" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ پھر اس کا انگریزی ترجمہ پاکستان ٹائم اور دی مسلم میں شائع ہؤا۔

فکر و نظر

## رؤیت ہلال ایک اہم مسئلہ

قاضی عبدالدائم دائم

"اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں اس دفعہ عیدالاضحیٰ افغان مہاجرین نے ۲ جولائی کو منائی جبکہ پشاور میں ۳ جولائی کو اور ہزارہ سمیت باقی تمام ملک میں ۴ جولائی کو منائی گئی۔ (یہ تحریر ۱۹۹۳ء میں لکھی گئی تھی، ویسے ہر سال تقریباً یہی صورت حال پیش آتی ہے۔) اس طرح ایک خدا، ایک رسول اور ایک قرآن کو ماننے والوں اور ایک ہی ملک میں بسنے والوں نے ایک ہی اسلامی تہوار کو تین مختلف ایام میں منا کر جس لامرکزیت، بدنظمی اور انتشار کا مظاہرہ کیا ہے اور ہمارے قوم کے دوررس اصولوں تنظیم و اتحاد کی جس طرح دھجیاں اڑائی ہیں اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

اس سے پہلے عیدالفطر کے موقع پر بھی یہی صورت پیش آئی تھی۔ حالانکہ پاکستان کی تاریخ میں اس دفعہ پہلی بار پورے ملک میں رمضان کا آغاز ایک ہی دن سے ہؤا تھا۔ پوری قوم خوش تھی کہ اس مرتبہ عید بھی متفقہ ہوگی مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی 9:00 بجے اپنا فیصلہ سنا کر اٹھ گئی اس کے بعد میں پہنچنے والی شہادتیں اس تک نہ پہنچ سکیں اور مجبوراً صوبائی رؤیت ہلال کمیٹی کو اپنے طور پر عید کا اعلان کرنا پڑا۔ چنانچہ پشاور کے قرب و جوار میں اور پنجاب کے بعض علاقوں (میانوالی اور بھکر وغیرہ) میں ایک دن پہلے عید منائی گئی اور باقی ملک میں ایک دن بعد۔

دینی مسائل میں اسی طرح کی لاپرواہی کا گناہ کس پر ہوگا ---؟ عوام پر یا مرکزی اور صوبائی رؤیت ہلال کمیٹیوں پر جو عید و رمضان جیسے دینی شعائر میں اس قدر غفلت کا مظاہرہ کرتی ہیں کہ لوگ رمضان میں عید منانے کے مجرم بن جاتے ہیں یا عید کے دن روزہ رکھنے کے گنہگار ہو جاتے ہیں۔

متحدہ عرب امارات اور دیگر عربی ممالک کی اکثریت سعودی عرب کے ساتھ روزہ رکھتی اور عید مناتی ہے۔ ہمارے پڑوس میں واقع ملک افغانستان میں بھی، جہاں کی بیشتر آبادی حنفی فقہ کی پیروکار ہے اور ان میں بڑے بڑے علماء اور مشائخ موجود ہیں، سعودی عرب کے ساتھ روزہ رکھا جاتا ہے اور عید منائی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ باقی اسلامی ممالک اس طریقہ پر عمل پیرا کیوں نہیں ہوتے اور پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن رمضان اور عیدین منا کر ملت اسلامیہ کی وحدت کا مظاہرہ کیوں نہیں کرتے؟

بعض علماء کہتے ہیں کہ سعودی عرب کا مطلع ہم سے مختلف ہے، ہوسکتا ہے کہ مغرب کی جانب واقع ہونے کی وجہ سے وہاں چاند نظر آ جائے اور یہاں نظر نہ آئے اس لئے ہم ان کی پیروی نہیں کر سکتے۔

جواباً عرض ہے کہ مطلع مختلف ہونے کا نظریہ صحیح اور متفق علیہ حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد موجود ہے کہ

"صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ"

(چاند دیکھ کر روزہ رکھا کرو اور چاند دیکھ کر عید کیا کرو)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رمضان کا چاند نظر آنے پر روزہ رکھنا اور شوال کا چاند نظر آنے پر عید منانا پوری ملت اسلامیہ پر فرض ہے کیونکہ "صوموا" اور "افطروا" کا خطاب تمام مسلمانوں کو ہے، خواہ ایک شہر، ایک ملک اور ایک علاقہ میں رہتے ہوں یا مختلف شہروں، علاقوں اور ملکوں میں بستے ہوں اور جس طرح ایک شہر یا علاقے میں چاند نظر آنے پر دوسرے شہروں اور علاقوں میں اس کا اتباع ضروری ہے اسی طرح ایک ملک میں چاند نظر آنے سے باقی تمام ممالک پر اس کی پیروی لازم ہے۔

سرورِ عالم ﷺ کے اسی ارشاد کے پیش نظر فقہائے احناف نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ مغربی ممالک میں چاند نظر آ جائے تو مشرقی ممالک کو اس کے مطابق عمل کرنا پڑے گا۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے کہ

---"واختلاف المطالع غير معتبر ..... فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب."

اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے مغرب والوں کو چاند دکھائی دے تو مشرق والوں پر اس کا اتباع لازمی ہوگا۔

(درمختار، ج ۱ ص ۱۴۹)

حنفی فقہ کے علاوہ مالکی اور حنبلی فقہ میں بھی اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں "وهو المعتمد عندنا وعند المالكية والحنابلة" یعنی اختلاف مطالع کے غیر معتبر ہونے پر ہمارا بھی اعتماد ہے اور مالکیوں اور حنبلیوں کا بھی (شامی، ج ۲ ص ۱۰۵)

علامہ جزری لکھتے ہیں "ولا عبرة باختلاف مطلع الهلال مطلقا عند ثلاث من الائمة" یعنی تین اماموں کے نزدیک اختلاف مطلع کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔"

(الفقه على المذاهب الاربعه، ج ۱ ص ۵۵۰)

(باقی آئندہ)

Marfat.com

چندروز بعد میرے مضمون کے جواب میں ڈاکٹر سید محمد نواز صاحب کا مضمون
''رؤیت ہلال---ایک اہم مسئلہ'' ہی کے عنوان سے شائع ہوا جس کی تلخیص درج ذیل ہے۔

# رؤیت ھلال --- ایک اھم مسئلہ

ڈاکٹر سید محمد نواز

روزنامہ جنگ کی ایک حالیہ اشاعت میں رؤیت ہلال کے موضوع پر ایک مضمون شائع ہوا ہے۔اس موضوع پر دینی مسائل سے دلچسپی رکھنے والے ایک سیدھے سادے مسلمان کی حیثیت سے چند معروضات پیش کررہا ہوں۔

(۱) یہ خواہش کہ سب مسلمان ایک ہی روز عید منائیں اپنے اندر کوئی شرعی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور فطری بنیاد نہیں رکھتی۔مختلف ممالک اور علاقوں کے مسلمان اگر اپنے اپنے علاقوں میں چاند دیکھ کر روزے شروع کردیتے ہیں اور چاند دیکھ کر عید منالیتے ہیں، جس میں تقدم وتاخر قدرتی بات ہے، تو بتایا جائے کہ اس سے کیا فساد رونما ہوتا ہے؟ یا کیا خرابی ظہور پذیر ہوتی ہے؟ اسلام کا کون سا ستون منہدم ہوتا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کو خود یہ بات پسند نہ ہوتی تو وہ اپنی قدرت کاملہ سے خود کوئی ایسا نظام فرما دیتا کہ پوری دنیا کے لوگ ایک ہی دن ہلال عید دیکھ لیتے۔جب خود اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا انتظام نہیں فرمایا تو ہم قانون قدرت اور نظام فطرت کے لئے کیوں مضطرب ہیں؟

(۲) ایک ہی روز عید منانے کے حق میں جو سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ''اتحاد امت کا دلکش اور حسین نظارہ دیکھنے کو ملے گا'' یہ دلیل دینے والے حضرات ان حقائق سے کیوں چشم پوشی کر جاتے ہیں کہ عقائد واعمال میں کہاں کہاں اختلاف نہیں ہے؟ حرام وحلال میں اختلاف، نکاح وطلاق میں اختلاف، نکاح وطلاق کے مسائل میں اختلاف، بیع شر کے شرائط وقواعد میں اختلاف، عبادت کے طور طریقوں میں اختلاف۔مدارس ومساجد اور عیدگاہیں الگ الگ ہیں، جماعتیں اور جتھے الگ ہیں، گائیڈ اور رہنما اپنے اپنے ہیں۔اس صورت حال میں اگر آپ مسلمانوں کو

Marfat.com

ایک ہی دن عید منانے پر آمادہ کر بھی لیں تو عید کی نماز ادا کرنے کے وقت میں یکسانیت کیسے پیدا کریں گے؟ ابھی جب عید کا موقع آئے گا تو اخبار میں صرف لاہور شہر میں عید کی نماز کی ادائیگی کے اوقات کا اعلان نامہ ملاحظہ فرمالیجئے گا۔ صبح تقریباً 6:00 بجے سے لے کر تقریباً 10:00 بجے تک مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں نماز عید ادا کی جائے گی۔ کیا یہ اتحاد امت کا حسین نظارہ ہوگا؟

(۳) یہ بات درست ہے کہ رؤیت ہلال کمیٹی خود انتشار کا شکار ہے۔ یہ کمیٹی خود کسی متفقہ فیصلے پر نہیں پہنچ پاتی، قوم کو ایک عید منانے پر کیسے متفق کرے گی۔ یہ کمیٹی اپنے اغراض و مقاصد کے حصول میں ناکام رہی ہے لہٰذا اس کا وجود غیر ضروری ہے۔ اسے توڑ دینا چاہئے اور مسلمانوں کو ان کی اپنی صوابدید پر آزاد چھوڑ دینا چاہئے کہ وہ رؤیت ہلال کے بارے میں اپنے اپنے فقہی مسلک اور اپنے قابل اعتماد علماء کرام کی رہنمائی میں روزوں کا آغاز بھی کریں اور عید بھی منائیں۔

(۴) متحدہ عرب امارات اور دیگر عرب ممالک کی اکثریت کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سعودی عرب کے ساتھ روزہ رکھتی ہے اور عید مناتی ہے۔ نیز ہمارے پڑوسی ملک افغانستان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہاں بھی سعودی عرب کے ساتھ روزہ رکھا جاتا ہے اور عید منائی جاتی ہے، مغالطہ سے خالی نہیں۔ متحدہ عرب امارات اور دیگر عربی ممالک سعودی عرب کی پیروی اور تتبع میں سعودی عرب کی رؤیت ہلال کا اعتبار کر کے ایسا نہیں کرتے بلکہ اتفاق مطالع کی بنا پر چونکہ ان ممالک میں بھی اسی دن چاند نظر آجاتا ہے لہٰذا عید سعودی عرب کے مطابق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح افغانستان، ایران اور سعودی عرب اسی بالائی پٹی پر واقع ہیں جہاں اتفاق مطالع کے سبب اکثر اوقات (ہمیشہ نہیں) ایک ہی روز چاند نظر آجاتا ہے۔ لہٰذا جن ممالک میں سعودی عرب کے ساتھ عید منائی جاتی ہے وہ مقامی رؤیت ہلال ہی کی بنا پر ہوتی ہے، نہ کہ سعودی عرب کی رؤیت ہلال کے اعتبار سے۔

(۵) مضمون میں سب سے اہم بات اختلاف مطالع کو نظر انداز کر دینے کا مشورہ ہے۔ انہوں نے اختلاف مطالع کے فلسفہ کو صحیح اور متفقہ حدیث کے خلاف اور ناقابل عمل قرار دیا ہے اور دلیل

میں یہ حدیث پیش کی ہے۔ صُوْمُوْ الِرُؤْیَتِہٖ وَ اَفْطِرُوْ الِرُؤْیَتِہٖ اور آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رمضان کا چاند نظر آنے پر روزے رکھنا اور شوال کا چاند نظر آنے پر عید منانا پوری ملت اسلامیہ پر فرض ہے کیونکہ ''صوموا'' اور ''افطروا'' کا خطاب تمام مسلمانوں کو ہے۔ یہ حدیث کا بالکل نرالا مفہوم ہے، ورنہ صحیح مفہوم وہی ہے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں سے لے کر اب تک کے مسلمان سمجھتے اور اس پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ یعنی اپنی اپنی رؤیت کے مطابق چاند دیکھ کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھ کر عید منانا۔ حدیث کے اسی مفہوم کی تائید حدیث کریب سے ہوتی ہے جس کی تفصیل یوں ہے۔

حضرت کریب سے مروی ہے کہ ان کو ام فضل نے شام میں حضرت معاویہ کے پاس بھیجا۔ حضرت کریب فرماتے ہیں کہ میں جمعرات کی رات شام ہی میں تھا کہ ہلال رمضان نظر آ گیا۔ میں نے شام میں جمعرات کی رات چاند دیکھا۔ پھر میں آخر ماہ میں مدینہ واپس آیا۔ مجھ سے حضرت عبداللہ بن عباس نے ہلال کا ذکر کیا اور پوچھا ''تم نے کب ہلال دیکھا تھا؟'' میں نے کہا ''ہم نے جمعرات کی رات کو چاند دیکھا تھا'' حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا ''تم نے بھی اسے دیکھا تھا؟'' میں نے کہا ''ہاں، اور بہت سے آدمیوں نے بھی دیکھا تھا اور سب نے حضرت امیر معاویہ کے ساتھ جمعہ کا روزہ بھی رکھا تھا۔''

حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا ''لیکن ہم نے تو اسے ہفتہ کے دن دیکھا۔ ہم اس حساب سے روزے رکھتے رہیں گے یہاں تک کہ تیس دن پورے کرلیں یا ہلال دیکھ لیں۔'' میں نے کہا ''آپ حضرت معاویہ کی رؤیت اور ان کے روزے کو کافی نہیں سمجھتے'' فرمایا ''نہیں رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔'' (بحوالہ منتقی الاخبار)

اب آپ غور فرمائیں کہ حضرت امیر معاویہؓ خلیفہ وقت ہیں۔ مسلمانوں کی ایک ہی اسلامی مملکت ہے۔ دمشق (شام) دارالخلافہ ہے۔ مدینہ اسی مملکت اسلامیہ کا شہر ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ اور

Marfat.com

عبداللہ ابن عباسؓ دونوں جلیل القدر صحابی رسول ﷺ ہیں۔اور ایک ہی مملکت کے دو شہروں، مدینہ اور دمشق کے رہنے والے اپنی اپنی رؤیت ہلال کے مطابق روزے رکھ رہے ہیں اور عید منا رہے ہیں اور ان کو رسول ﷺ کا حکم بتا رہے ہیں۔اس واضح اور روشن دلیل کی موجودگی میں صوموا اور افطروا کا وہ مفہوم کیسے درست تسلیم کر لیا جائے جو مضمون نگار فرما رہے ہیں؟

(۶) اب حدیث کے الفاظ ''صوموا'' اور ''افطروا'' کا جو مفہوم مضمون نگار نے بیان کیا ہے اس پر ہم ایک اور پہلو سے غور کرتے ہیں۔موصوف فرماتے ہیں کہ چونکہ خطاب تمام مسلمانوں سے ہے لہٰذا دنیا میں کہیں بھی چاند نظر آ جائے تو تمام دنیا کے مسلمانوں کو عید منا لینی چاہیے۔

جہاں تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے روزے رکھیں وہاں فرمایا گیا ''ثُمَّ اَتِمُّوْا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ'' (البقرہ) پھر روزے کو رات تک پورا کرو۔رات کا آغاز مغرب سے ہوتا ہے۔ یعنی مغرب تک روزہ رکھو اس کے بعد کھول دو۔اب غور فرمایئے لفظ ''اَتِمُّوْا'' میں پوری ملت اسلامیہ شامل ہے۔تمام مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے مگر ''اِلَى اللَّيْلِ'' کے اوقات مختلف علاقوں، شہروں اور ملکوں میں مختلف ہیں لہٰذا ہر علاقہ، شہر اور ملک کے افراد ملت اپنے اپنے مقامات پر ''اِلَى اللّٰيْلِ'' یعنی رات تک روزہ پورا کریں گے اور بالیقین یہ اوقات مختلف ہوں گے۔ورنہ ''صوموا'' ''افطروا'' اور ''اتموا'' کے خطاب کو دیکھتے ہوئے اگر دنیا میں کہیں بھی عید کا چاند نظر آنے پر تمام دنیا کے مسلمانوں کو عید منا لینی چاہیے تو پھر دنیا میں کہیں بھی رات شروع ہو جانے پر دنیا بھر کے مسلمانوں کو روزہ افطار کر لینا چاہیے۔مثال کے طور پر اگر بنگلہ دیش میں سورج غروب ہو جائے تو ہم پاکستان میں روزہ افطار کر لیا کریں (کیونکہ اتموا کے خطاب میں سب مسلمان شامل ہیں) یا زیادہ دور نہ جایئے، لاہور میں سورج بہاولپور کی نسبت دس منٹ پہلے غروب ہوتا ہے، کیا لاہور میں سورج غروب ہونے پر ہم بہاولپور میں روزہ افطار کر سکتے ہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ جب لاہور کی ملت اسلامیہ کے لوگ روزہ کھول رہے ہوتے ہیں تو بہاولپور کی ملت اسلامیہ کے افراد مزید دس منٹ تک انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں؟

اس سلسلے میں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اختلاف مطالع کا لحاظ نہ رکھا جائے اور سعودی عرب میں جس دن چاند نظر آئے اسی روز ہم بھی عید منالیں، یعنی عید والے روز کو شوال کی پہلی تاریخ شمار کریں تو دو دن بعد جب ہمارے اپنے ملک میں شوال کی پہلی تاریخ کا چاند نظر آئے گا اسے ہم تیسری کا چاند شمار کریں گے؟ پھر بارھویں کے چاند کو چودھویں کا چاند شمار کریں گے؟ کیا اس طرح پوری دنیا میں قمری تقویم غلط اور بے معنی بلکہ مضحکہ خیز نہ بن جائے گی؟

(۷) یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلع مختلف ہونے کا نظریہ فقہائے کرام کی تحقیق کے خلاف ہے اور یکسر چھوڑ دینے کے قابل ہے۔ اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے اختلاف مطالع کا نظریہ صرف رؤیت ہلال کی خاطر کیوں چھوڑ دیا جائے؟ اگر اختلاف مطالع کا نظریہ ترک کر کے ایک مقام کی رؤیت ہلال ان مقامات کیلئے بھی معتبر قرار دی جاسکتی ہے جہاں فی الواقع نہ چاند نظر آیا اور نہ نظر آنے کا امکان تھا تو پھر ایک مقام پر طلوع شمس، اس مقام کے لئے بھی معتبر ہونا چاہئے جہاں فی الواقع سورج طلوع نہیں ہوا۔ مثال کے طور پر بنگلہ دیش میں سورج طلوع ہو جانے پر پاکستان یا باقی ممالک میں فجر کی نماز کا وقت ختم سمجھنا چاہئے، یا ہمیں بھی اس وقت تک مغرب کی نماز نہیں پڑھنی چاہئے جب تک سعودی عرب میں سورج غروب نہ ہو جائے، یا جونہی بنگلہ دیش میں سورج غروب ہو جائے ہمیں نماز مغرب کے لئے کھڑے ہو جانا چاہئے حالانکہ اس وقت ہمارے ہاں عصر پڑھی جارہی ہوتی ہے۔ جب ہم پوری دنیا میں رؤیت شمس کے مطابق مختلف علاقوں میں مختلف اوقات پر نماز پڑھتے ہیں اور وحدت ملت کے نازک آبگینہ کو ٹھیس نہیں پہنچتی تو رؤیت ہلال کے مطابق مختلف علاقوں میں مختلف اوقات پر عید منانے کو وحدت ملت کے تصور کے منافی کیوں خیال کیا جاتا ہے؟

❁❁❁

(ڈاکٹر صاحب کے نکات کا جواب دیتے ہوئے
راقم نے درج ذیل سطور سپرد قلم کیں۔)

# رؤیت ھلال --- اور اختلاف مطالع

قاضی عبدالدائم دائمؔ

روزنامہ جنگ کی 6 مارچ کی اشاعت میں رؤیت ہلال کے موضوع پر راقم الحروف کا ایک مضمون چھپا تھا جس میں واضح کیا گیا تھا کہ مطلع مختلف ہونے کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، البتہ امام شافعی اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں مگر ان کے اصحاب بھی اس پر متفق نہیں ہیں۔ یہ تمام باتیں مفصل حوالہ جات سے واضح کی تھیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ ان ائمہ کے مقلدین علماء میں سے برصغیر کی اکثریت جن اہل علم کی پیروی کرتی ہے، ان کی بھی یہی تحقیق ہے۔ اس سلسلے میں فتاوٰی رضویہ، بہار شریعت اور کوکب دری کے حوالے پیش کئے تھے۔

15 مارچ کو جناب ڈاکٹر سید محمد نواز صاحب کا مضمون شائع ہوا جس میں انہوں نے مجھ سے اختلاف کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ اختلاف مطالع کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے بلکہ بہر صورت ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اس موقف پر انہوں نے کسی بھی مجتہد یا فقیہہ کا حوالہ تو پیش نہیں کیا، البتہ میری معروضات پر گرفت کرتے ہوئے چند نکات بیان کئے ہیں۔ ذیل میں ان کے ارشادات کا نکتہ بنکتہ جواب پیش خدمت ہے۔

(۱) پہلے نکتے میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں "یہ خواہش کہ سب مسلمان ایک ہی روز عید منائیں اپنے اندر کوئی شرعی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور فطرتی بنیاد نہیں رکھتی۔"

اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس خواہش کی بنیاد تین اماموں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں۔ اب جس مسئلے پر امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ جیسے مجتہدین اور مولانا احمد رضا خاں، مولانا امجد علی اور مولانا رشید احمد گنگوہی جیسے اکابر متفق ہوں، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کا کوئی شرعی اور اخلاقی جواز نہیں ہے، ایک ایسی جسارت ہے جو ڈاکٹر صاحب جیسا محقق تو کر سکتا

ہے، میرے جیسا علماء کا ادنیٰ خوشہ چین نہیں کرسکتا۔

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں ''اگر مختلف ممالک اور علاقوں کے مسلمان اپنے اپنے علاقوں میں چاند دیکھ کر روزے شروع کردیتے ہیں اور چاند دیکھ کر عید منا لیتے ہیں، جس میں تقدم وتاخر قدرتی بات ہے تو بنایا جائے کہ اس سے کیا فساد رونما ہوتا ہے؟ یا کیا خرابی ظہور پذیر ہوتی ہے؟ اسلام کا کون سا ستون منہدم ہوتا ہے؟''

جواباً گزارش ہے کہ چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک جگہ چاند نظر آنا سارے جہان کے لئے ہوتا ہے، اس لئے علحدہ علحدہ رمضان وشوال شروع کرنے سے یہ فساد رونما ہوتا ہے کہ جس دن حقیقتاً رمضان شروع ہوتا ہے، اس دن ہم روزہ خوری کررہے ہوتے ہیں۔ یہ خرابی ظہور پذیر ہوتی ہے کہ جس روز درحقیقت عید ہوتی ہے، اس دن ہم نے روزہ رکھا ہوتا ہے اور اس تقدم وتاخر کی وجہ سے روزے جیسا دین کا اہم ستون اپنے وقت پر ادا نہ ہونے کی وجہ سے منہدم ہوجاتا ہے۔

(۲) دوسرے نکتے میں ڈاکٹر صاحب نے یہ دلچسپ بات کہی ہے کہ چونکہ فلاں فلاں مسائل میں اختلاف ہے، اس لئے رمضان وعید میں بھی اختلاف باقی رہے تو کیا حرج ہے--- یہ عجیب استدلال ہے، یعنی جن چیزوں میں اتفاق ممکن نہیں ہے، ان کو ملحوظ رکھ کر ان چیزوں میں بھی اختلاف جاری رکھنا چاہئے جن میں اتفاق ممکن ہے۔ یہ فلسفہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے مقتدیوں سے کہا جائے کہ صفیں سیدھی کرلو تو وہ جواب دیں کہ ہمارا اور کون سا کام سیدھا ہے کہ صفیں سیدھی کرتے پھریں۔ یا حرم شریف کے امام کہیں کہ ٹخنوں کو ٹخنوں سے اور کندھوں کو کندھوں سے ملا کر کھڑے ہوں تو پیچھے سے جواب آئے کہ جب ہمارے ملک مختلف ہیں اور نماز کے طریقے اپنے اپنے ہیں تو محض ٹخنوں اور کندھوں کو ملانے سے کیا فائدہ ہوگا!

آپ ہی بتایئے قارئین کرام کہ علمی اور تحقیقی گفتگو کے دوران ایسی توجیہات اور جوابات کا سہارا لینا کہاں تک درست ہے!؟

Marfat.com

(۳) تیسرے نکتے میں ڈاکٹر صاحب ہلال کمیٹی پر تنقید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

''رویت ہلال کمیٹی خود انتشار کا شکار ہے۔ یہ کمیٹی خود کسی متفقہ فیصلے پر نہیں پہنچ پاتی، قوم کو ایک عید منانے پر کیسے متفق کرے گی!؟

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات سو فیصد درست ہے---لیکن اگر کسی چیز میں کوئی خامی پائی جائے تو اس کا علاج اس خامی کا ازالہ ہے، نہ کہ اس چیز کو ہی ختم کر دینا۔ اس لئے ہمیں ڈاکٹر صاحب کی اس تجویز سے اتفاق نہیں ہے کہ ''چونکہ یہ کمیٹی اپنے اغراض و مقاصد کے حصول میں ناکام رہی ہے لہٰذا اس کا وجود غیر ضروری ہے اور اس کو توڑ دینا چاہئے۔'' ہمارے خیال میں توڑنے کے بجائے اس کو صحیح خطوط پر استوار کرنا چاہئے تا کہ یہ اپنے اغراض و مقاصد کے حصول میں کامیاب رہے اور کبھی انتشار کا شکار نہ ہو اور اس کا حل وہی ہے جو ہم اپنے مقالے میں پیش کر چکے ہیں یعنی ''بین الاسلامی رؤیت ہلال کمیٹی'' کی تشکیل۔

(۴) ساری دنیا کو معلوم ہے کہ بہت سے اسلامی ملک سعودی عرب کے ساتھ روزے رکھتے اور عید مناتے ہیں مگر ڈاکٹر صاحب نکتہ نمبر ۴ میں اس سے انکار کرتے ہیں اور اس بات کو محض مغالطہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ ''متحدہ عرب امارات اور دیگر عربی ممالک سعودی عرب کی پیروی اور تتبع میں یا سعودی عرب کی رویت ہلال کا اعتبار کر کے ایسا نہیں کرتے بلکہ اتفاق مطالع کی بنا پر چونکہ ان ممالک میں اسی دن چاند نظر آ جاتا ہے جس دن سعودی عرب میں نظر آتا ہے لہٰذا عید سعودی عرب کے ساتھ ہو جاتی ہے۔''

معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے یہ رائے کیسے قائم کر لی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عرب امارات وغیرہ میں سعودی عرب کے فیصلے کے مطابق اعلان کیا جاتا ہے اور از خود رویت ہلال کی شہادتیں حاصل کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جو عرب امارات میں کچھ عرصہ رہا ہو، تاہم ڈاکٹر صاحب کو اگر اس میں شبہ ہو تو عرب امارات کے سفارت خانے سے پوچھ لیں!

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں---''اسی طرح افغانستان اور سعودی عرب اس بالائی پٹی پر واقع ہیں جہاں اتفاق مطالع کے سبب اکثر اوقات (ہمیشہ نہیں) ایک ہی روز چاند نظر آ جاتا ہے۔ لہٰذا جن ممالک میں سعودی عرب کے ساتھ عید منائی جاتی ہے، وہ مقامی رویت ہلال ہی کی بنا پر ہوتی ہے، نہ کہ سعودی عرب کی رویت کے اعتبار سے۔''

پاکستان میں ہزاروں نہیں لاکھوں افغانی بھائی موجود ہیں۔ ان سے پوچھ لیں کہ ان کے ملک میں روزہ اور عید کا اہتمام چاند دیکھ کر کیا جاتا ہے یا سعودی عرب کے اعلان کی پیروی کی جاتی ہے؟

چلئے، ہم ڈاکٹر صاحب کی بات کو ہی درست مان لیتے ہیں لیکن اس صورت میں یہ الجھن پیدا ہوگی کہ افغانستان کا آخر وہ کون سا مطلع ہے جس پر چاند نظر آنے سے جلال آباد تک تو عید کی جا سکتی ہے مگر چند کلومیٹر پر واقع پاکستانی سرحد کے اس طرف نہیں کی جا سکتی!؟ کیا ملک بدلنے سے مطلع بھی بدل جاتا ہے؟

(۵) میرے استدلال پر اعتراض کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں ''مضمون میں سب سے اہم نکتہ اختلاف مطالع کو نظر انداز کر دینے کا مشورہ ہے۔ انہوں نے اختلاف مطالع کے فلسفہ کو صحیح اور متفقہ حدیث کے خلاف اور نا قابل عمل قرار دیا ہے اور دلیل میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ صوموا لرؤیتہ وافطرو الرؤیتہ اور آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''رمضان کا چاند نظر آنے پر روزے رکھنا اور شوال کا چاند نظر آنے پر عید منانا پوری ملت اسلامیہ پر فرض ہے کیونکہ صوموا و افطروا کا خطاب تمام مسلمانوں کو ہے'' یہ حدیث کا بالکل نرالا مفہوم ہے۔''

گزارش ہے کہ یہ مفہوم میرا ایجاد کردہ نہیں بلکہ تینوں ائمہ مجتہدین نے یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں۔ ''ظاہر روایت یہی ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ اسی پر ہمارا اور مالکیوں اور حنفیوں کا اعتماد ہے کیونکہ صوموا لرؤیتہ میں مطلق رویت کے بارے میں خطاب عام ہے۔ (شامی، جلد نمبر ۲، ص ۱۰)

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں۔ ''ورنہ صحیح مفہوم وہی ہے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں سے لے

کراب تک کے مسلمان سمجھتے اوراس پر عمل کرتے آئے ہیں۔یعنی اپنی اپنی رؤیت کے مطابق چاند دیکھ کرعید منانا۔"

کیا ائمہ ثلاثہ اوران کے پیروکار علماء ڈاکٹر صاحب کے نزدیک "قرون اولیٰ سے لے کراب تک کے مسلمانوں" سے خارج ہیں کہ انہوں نے اس "صحیح مفہوم" کو درخور اعتنا نہ سمجھا؟

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے حضرت کریب کی حدیث نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ رمضان کے آخری ایام میں شام سے مدینہ منورہ آئے اور حضرت ابن عباسؓ کو بتایا کہ شام میں حضرت امیر معاویہؓ نے جمعہ کا روزہ رکھا تھا اور میں نے بھی جمعہ کی رات کو چاند دیکھا تھا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم نے چونکہ ہفتے کی رات کو چاند دیکھا تھا اس لئے اسی حساب سے روزے رکھتے رہیں گے۔حضرت کریب نے پوچھا کہ کیا آپ حضرت امیر معاویہ کی رؤیت کو کافی نہیں سمجھتے؟ فرمایا نہیں، ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔

اس حدیث سے ڈاکٹر صاحب نے یہ استدلال کیا ہے کہ---"ایک ہی مملکت کے دو شہروں مدینہ اور دمشق کے رہنے والے اپنی اپنی رؤیت ہلال کے مطابق روزے رکھ رہے ہیں اور عید منا رہے ہیں اور اس کو رسول اللہ ﷺ کا حکم بتا رہے ہیں۔اس واضح اور روشن حدیث اور دلیل کی موجودگی میں صوموا اور افطروا کا وہ مفہوم کیسے درست تسلیم کرلیا جائے جو مضمون نگار اخذ فرما رہے ہیں؟"

اس میں تو شک نہیں کہ اس دفعہ اہل مدینہ ودمشق نے علیحدہ علیحدہ ایام سے رمضان کا آغاز کیا تھا مگر اس سے اختلاف مطالع معتبر ہونے کا ثبوت کہاں سے نکل آیا؟ اس واقعہ میں تو نصاب شہادت ہی نامکمل اور ناقص ہے۔کیونکہ شام میں چاند نظر آنے کے گواہ صرف حضرت کریب ہی تھے اور اس سلسلے میں ایک آدمی کی شہادت کافی نہیں۔علامہ شامی نے صاف لکھا ہے کہ ایک مقام کے لوگوں کے لئے دوسری جگہ کی رؤیت اس صورت میں واجب العمل ہوتی ہے جب طریق موجب سے ثابت ہوجائے۔یعنی دو گواہ شہادت دے دیں کہ ہم نے خود چاند دیکھا ہے یا یہ شہادت دیں کہ فلاں

M arfat.com

قاضی نے ہمارے رو برو چاند نظر آ جانے پر فیصلہ دیا ہے یا چاند کے دکھائی دینے کی خبر مشہور و مستفیض ہو جائے۔ (شامی، جلد۲، ص۲۵)

ظاہر ہے کہ حضرت کریب تنہا آدمی تھے اور خبر بھی مستفیض نہیں تھی، پھر حضرت ابن عباسؓ اس پر کیسے عمل کر سکتے تھے؟ ہاں اگر دو آدمی گواہی دیتے اور حضرت ابن عباسؓ اس کے باوجود اس عمل نہ کرتے تو اختلاف مطالع معتبر ہونے کا ثبوت ہو سکتا تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔

واضح رہے کہ یہ واقعہ دور حاضر کے حالات پر منطبق نہیں ہوتا کیونکہ آجکل کسی ملک میں چاند نظر آنے کی خبر ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے سے اس قدر مستفیض ہو جاتی ہے کہ ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو پتہ ہوتا ہے کہ آج فلاں جگہ پہلا روزہ ہے۔

(۶۔۷) چھٹے اور ساتویں نکتے میں ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ کہا ہے اس میں انہوں نے تاریخوں اور دنوں کو اوقات پر قیاس کر لیا ہے۔ حالانکہ مختلف ممالک کے اوقات تو مختلف ہوتے ہیں لیکن دن اور تاریخیں ایک ہی ہوتی ہیں۔ مثلاً یکم جنوری کو پوری دنیا میں یکم جنوری ہی ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کسی جگہ یکم جنوری ہو اور کسی دوسری جگہ جنوری کی ۳ تاریخ ہو۔ اسی طرح جمعہ کے دن سارے عالم میں جمعہ ہی ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ کسی مقام پر جمعہ ہو تو کسی دوسرے مقام پر سوموار۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ یکم جنوری اور جمعہ کسی ملک میں دس بارہ گھنٹے پہلے شروع ہو جائے گا اور کسی دوسرے ملک میں دس بارہ گھنٹے بعد میں، لیکن تاریخ اور دن یہی رہے گا۔ بعینہٖ اسی طرح یکم رمضان کو پوری دنیا میں یکم رمضان ہونی چاہئے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ پاکستان میں تو یکم رمضان ہو اور سعودی عرب میں رمضان کی تین تاریخ۔

رہے اوقات تو وہ ہر ملک کے اپنے اپنے ہوتے ہیں، مگر ہوتے اسی دن اور تاریخ کے ہیں نہ کہ کسی اور تاریخ اور دن کے۔ یعنی یکم جنوری کی صبح مشرقی ممالک میں دس بارہ گھنٹے پہلے ہو جائے گی اور مغربی ملکوں کے اندر بعد میں، مگر ہو گی وہ یکم جنوری کی صبح۔ اسی طرح جمعہ کی شام سعودی عرب میں

Marfat.com

پاکستان کی نسبت دو گھنٹے تاخیر سے ہوگی مگر ہوگی وہ جمعہ ہی کی شام۔ٹھیک اسی طرح رمضان کی پہلی رات سعودی عرب میں دو گھنٹے کی تاخیر سے شروع ہوگی مگر ہوگی وہ رمضان کی پہلی رات۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ سعودی عرب میں تو رمضان کی پہلی رات ہو اور پاکستان میں شعبان کی اٹھائیسویں رات۔غرضیکہ اوقات تو مختلف ہوسکتے ہیں مگر تاریخیں اور دن تمام ممالک میں ایک ہی ہوتے ہیں کیونکہ تاریخ چوبیس گھنٹے بعد بدلتی ہے اس لئے تاریخیں مختلف ہونے کے لئے دو ملکوں میں چوبیس گھنٹے کا فرق ضروری ہے جبکہ کرۂ ارض پر زیادہ سے زیادہ بارہ گھنٹے کا فرق ہوسکتا ہے اور بارہ گھنٹوں میں تاریخ نہیں بدلتی۔ڈاکٹر صاحب نے نہ جانے کس طرح تاریخوں کو اوقات پر قیاس کرلیا اور یہ عجیب بات کہی ''جس طرح ''صوموا'' کا خطاب عام ہے اسی طرح ''اتموا'' کا خطاب بھی تمام امت مسلمہ سے ہے اس لئے جونہی شام ہو تمام امت مسلمہ کو افطار کرلینا چاہئے، خواہ وہاں سورج نصف النہار پر کھڑا ہو۔'' حالانکہ سحر وافطار کا تعلق اوقات سے ہے جو مختلف ملکوں اور شہروں کے اپنے اپنے ملک اور شہر کے اعتبار سے ہوں گے، جبکہ رمضان کے آغاز کا تعلق تاریخ اور دن سے ہے جو تمام ملکوں اور شہروں میں ایک ہی ہوں گے۔اس لئے صوموا اور افطروا کے احکام بھی پورے کرۂ ارض کے لئے ہوں گے اور یکم رمضان کو ہر ملک اور ہر شہر میں یکم رمضان ہی ہوگی، خواہ ایک ملک مغرب اقصٰی میں اور دوسرا مشرق اقصٰی میں ہو۔ یہی بات ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام نے کہی ہے جو عقل ونقل اور مشاہدے کے عین مطابق ہے۔اس لئے تمام ممالک کو بین الاسلامی رؤیت ہلال کمیٹی کی تشکیل کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ پوری امت مسلمہ روزہ وعید اور دیگر اسلامی تہوار ایک ہی دن منا کر وحدت اسلامیہ کا دلربا نظارہ پیش کرے اور نت نئی الجھنوں اور مضحکہ خیز انتشار سے نجات پائے۔

وما علینا الاالبلاغ

Marfat.com

انہی مضامین کو مدنظر رکھتے ہوئے سرحد اسمبلی کے ممبر جناب سردار غلام نبی خان صاحب نے ۱۴ دسمبر ۱۹۹۵ء کو ایک قرار داد پیش کی جسے اسمبلی نے ۱۸ دسمبر ۱۹۹۵ء کو متفقہ طور پر منظور کرلیا۔ذیل میں اس قرار داد کا عکس پیش خدمت ہے۔

قرارداد نمبر 92

منجانب:- جناب سردار غلام نبی خان صاحب رکن صوبائی اسمبلی سرحد

یہ اسمبلی صوبائی حکومت سے سفارش کرتی ھے کہ وہ وفاقی حکومت سے اس امر کی سفارش کرے کہ آئندہ ہرسال یکم رمضان اور عیدین کے ایام کا تعین حکومت سعودی عرب کے اعلانات کے مطابق کرے جیسا کہ اسلامی ممالك کا دستور ھے تاکہ پاکستان سمیت امت مسلمہ تمام روئے زمین پر ایك ھی دن میں رمضان کے روزے رکھے اور ایك ھی دن عیدین کا تھوار منائے اس پر عمل پیرا ھوتے ھوئے نہ صرف وحدت مسلم کا اظہار ھو گا بلکہ صحیح شرعی اعلانات کی پیروی بھی ھو گی۔ اور پاکستان میں کئی عیدیں منانے کے رحجانات کا تدارك بھی ھو گا۔

92

دستخط اور مہر

14-12-1985

(سرحد اسمبلی سے متفقہ طور پر منظور ہونے والی قرارداد کا عکس)

Marfat.com

گزشتہ مضامین کی اشاعت کے بعد پشاور سے ایک فاضل محترم جناب قاضی محمدعارف صاحب نے مجھے تفصیلی خط لکھا جس کا درج ذیل جواب دیا گیا۔ داتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

محترم ومکرم جناب قاضی صاحب، دام لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مکتوب گرامی ملا، جس کا خط بھی نہایت خوبصورت تھا اور انداز بیاں بھی بہت عمدہ اور خوشگوار۔ مقالے کی اشاعت کے بعد متعدد حضرات نے مجھے خطوط لکھے۔ زیادہ تر اہل علم نے تو تائید و تصویب ہی فرمائی؛ البتہ بعض علماء نے تنقیدی انداز بھی اختیار کیا مگر ان کی تنقید کا حاصل یہ تھا کہ ہم سعودی عرب کا اتباع کیوں کریں؟ وہ تو چاند دیکھتے ہی نہیں؛ بلکہ سال بھر کا قمری کیلنڈر پہلے سے بنا لیتے ہیں اور اسی کے مطابق چلتے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ وہاں رؤیت ہلال کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ غالبًا ۱۹۹۹ء کے رمضان کی بات ہے کہ میں وہاں تھا۔ ۳۰ر رمضان کی رات کو حسب معمول تراویح پڑھی جارہی تھیں۔ میں ناسازی طبع کی بناپر حرم شریف نہیں جاسکا تھا؛ البتہ جس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا وہاں ٹی وی پر تراویح براہ راست دکھائی جارہی تھیں۔ اچانک تراویح کا منظر کاٹ دیا گیا اور اعلان ہوا کہ "مجلسِ قضاء شرعی" کے اعلان کا انتظار کیجئے---! تھوڑی دیر بعد مجلس قضاء شرعی کے ارکان کو دکھایا گیا، جنہوں نے پوری تفصیل سے بتایا کہ فلاں فلاں جگہ سے رؤیت ہلال کی شہادتیں موصول ہوگئی ہیں اور شریعت کے مطابق ان کی تحقیق و تجزیہ کے بعد مجلس قضاء شرعی کے ارکان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شہادتیں درست ہیں اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ کل عید ہے۔ اس کے بعد دوبارہ حرم شریف دکھایا گیا جہاں تراویح کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تھا اور لوگ واپس جارہے تھے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے

Marfat.com

کہ اکثر تنقیدی خطوط سنی سنائی باتوں پر مبنی تھے؛ البتہ آپ نے نہایت علمی اور تحقیقی انداز سے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے جسے پڑھ کر انتہائی خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور دونوں جہانوں میں شادوآباد رکھے۔

جواب کو مختصر رکھنے کے لئے میں وہاں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے آپ نے میرے دلائل کے جوابات کا آغاز کیا ہے۔ ضمناً باقی پہلوؤں پر بھی گفتگو ہو جائے گی۔ وباللہ التوفیق

۱---آپ نے صوموا لرؤیتہ کے بارے میں لکھا ہے---''میرے نزدیک یہ حدیث متفق علیہ ضرور ہے لیکن اس کا یہ مفہوم متفق علیہ نہیں ہے۔''

درست فرمایا آپ نے، لیکن احکام سے متعلقہ آیات واحادیث میں سے ایسی کون سی آیت یا حدیث ہے جس کی تفسیر وتشریح میں کسی مفسر اور محدث کو اختلاف نہ ہو؟ میں نے جو مفہوم لکھا ہے وہی مفہوم امام ابوحنیفہؒ نے سمجھا، وہی امام مالکؒ نے سمجھا، وہی امام احمد نے سمجھا اور اسی مفہوم کو درست سمجھتے ہوئے بعض اصحاب شافعی نے اپنے امامِ مذہب سے اختلاف کیا اور اختلاف مطالع کو غیر معتبر قرار دیا۔ اب آپ ہی بتایئے کہ تین ائمہ مذاہب---بالخصوص امام مالک، جو اہل مدینہ کے عمل کے عینی شاہد ہیں---جس مفہوم پر متفق ہوں اس کو چھوڑ کر وہ مفہوم کیسے اختیار کر لیا جائے جو صرف امام شافعی کی رائے ہو اور اس سے ان کے اپنے بعض پیروکار بھی متفق نہ ہوں؟

رہے وہ دلائل جو آپ نے اختلاف مطالع پر دیئے ہیں، تو محترم! اختلاف مطالع سے کس احمق کو انکار ہو سکتا ہے، مگر گفتگو اختلاف مطالع ہونے یا نہ ہونے میں نہیں ہے؛ بلکہ اس میں ہے کہ اختلاف مطالع شرعاً معتبر ہے یا نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قطعاً معتبر نہیں ہے اور ان کے ہاں مغرب میں چاند دکھائی دینے کی صورت میں مشرق والوں پر رمضان یا عید کرنا فرض ہے۔ جیسا کہ علامہ جزری اور کوکب دری کے حوالے سے لکھ چکا ہوں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے چاند دکھائی دینے کی شہادت میسر آنا اور نہ ہے اور اس شہادت کا شرعاً معتبر ہونا اور چیز ہے۔ مثلاً مطلع صاف ہونے کی صورت میں خواہ

فلکیات کی رو سے عید کا چاند مطلع پر موجود ہو اور اس کے دیکھے جانے کی شہادت دینے والے ایک دو انتہائی صالح ومتدین گواہ بھی ہوں، اس کے باوجود یہ شہادتیں غیر معتبر ہوں گی کیونکہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں شرعاً جم غفیر، یعنی بڑے گروہ کی شہادت ضروری ہے۔ یہی صورت اختلاف مطالع کی ہے، یعنی ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ کا مطلع دوسرے سے مختلف ہو مگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ اختلاف غیر معتبر ہے اور ایک جگہ کی رؤیت سارے جہان کے لئے ہے۔

غرضیکہ آپ نے اختلاف مطالع کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ انتہائی فاضلانہ اور محققانہ ہونے کے باوجود زیر بحث مسئلے سے غیر متعلق ہے۔

۲---آپ لکھتے ہیں---''آپ نے علامہ جزری کے حوالے سے ائمہ ثلاثہ کا اختلاف مطالع کو نا معتبر ماننا تو لکھ دیا لیکن متاخرین فقہ حنفیہ کے علماء کا اختلاف مطلع کو معتبر ماننا محض اس لئے نہیں لکھا کہ وہ آپ کے خیال کی تائید نہیں کرتا۔''

نہیں گرامی قدر! یہ بات نہیں ہے؛ بلکہ متاخرین کی رائے ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان بے چاروں کی رائے کو آج تک کسی نے فتویٰ کے قابل نہیں سمجھا۔ آپ کے اپنے پیش کردہ حوالوں کے مطابق بھی جن علماء نے بعض متاخرین کی اس رائے کا ذکر کیا ہے، انہوں نے ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کردی ہے کہ فتویٰ اس پر نہیں ہے۔ فتویٰ یہی ہے کہ اختلاف مطالع کا مطلق اعتبار نہیں ہے---نہ بلاد قریبہ میں، نہ بلاد بعیدہ میں۔

تعجب ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور بیسیوں اکابر حنفیہ کی تحقیق، جو ظاہر مذہب ہے، ظاہر روایت ہے اور جس پر فتویٰ ہے، وہ تو آپ کو پسند نہ آئی اور بعض غیر معروف متاخرین کی مرجوح اور نا قابل فتویٰ رائے آپ کے من کو بھا گئی۔!! اللھم ارحم.

رہے مولانا عبدالحی، تو وہ اصطلاحی متاخرین میں شامل نہیں ہیں اس لئے ان کے اصح المذاہب کہنے سے حقیقت نہیں بدلتی (۱) اور اگر لغوی متاخرین مراد ہیں تو پھر مولانا لدھیانوی ان سے

زیادہ متاخر ہیں جنہوں نے واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے کہ اختلاف مطالع کا مطلقاً اعتبار نہیں ہے۔ظاہر ہے، میں نے تو فتویٰ اسی پر دینا ہے جس پر اہل فتویٰ کا اعتبار ہے۔جو چیز بعض افراد کی ذاتی رائے ہو اور فقہاء کے فتویٰ کے مطابق اس کا مطلقاً اعتبار ہی نہ ہو، اس پر میرے جیسا ہیچمدان بھلا کیسے فتویٰ دے سکتا ہے---!!

یہ بھی واضح رہے کہ اس مسئلے میں تو خیر، متاخرین کی رائے پر کسی نے فتویٰ ہی نہیں دیا لیکن اگر کسی نے فتویٰ دیا بھی ہوتا تب بھی فقہی قواعد کے مطابق یہ بات نا قابل تسلیم تھی کیونکہ فقہاء نے صاف لکھا ہے کہ اگر فتویٰ میں اختلاف ہو جائے تو ظاہر روایت پر عمل ہوگا اور ظاہر روایت یہی ہے

---

(۱) ذرا تسامح ملاحظہ ہو مولانا کا، کہ فرماتے ہیں ''اصح المذاہب عقلاً ونقلا ہمیں است.....'' حالانکہ عقلی توجیہات میں تو ہر آدمی آزاد ہوتا ہے؛ البتہ نقلی طور پر کسی چیز کو صحیح قرار دینے کے لئے سابقین سے نقل پیش کرنی پڑتی ہے اور نقل کے اعتبار سے تینوں ائمہ مذاہب سے یہی منقول ہے کہ اختلاف مطالع غیر معتبر ہے، بعض اصحاب شافعی سے بھی یہی منقول ہے، تمام متقدمین احناف سے بھی یہی منقول ہے اور اکثر متاخرین حنفیہ سے بھی یہی منقول ہے، صرف امام شافعی اور بعض متاخرین حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

اب آپ ہی بتایئے محترم قاضی صاحب! یہ کیسے ممکن ہے کہ جو بات صرف امام شافعی اور چند متاخرین حنفیہ سے منقول ہو، وہ تو ''نقلا'' ''اصح المذاہب'' ہو جائے اور جو ائمہ ثلثہ کے علاوہ تمام متقدمین اور اکثر متاخرین احناف سے بھی منقول ہو وہ ''نقلا'' غیر اصح ہو جائے---!

اگر مولانا کو بعض متاخرین کا نظریہ پسند آ ہی گیا تھا تو انہیں یوں کہنا چاہئے تھا کہ اگرچہ نقلا اصح بات تو وہی ہے جس پر فقہاء احناف کا فتویٰ ہے؛ البتہ عقلاً زیادہ صحیح یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہے، جیسا کہ امام شافعی اور بعض متاخرین حنفیہ کی رائے ہے۔ محض اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لئے مولانا نے ''عقلاً'' کے ساتھ ''نقلا'' کو بھی نتھی کر دیا، جو قطعاً خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ ہے۔ اوپر سے مزید ستم ڈھایا ندوی صاحب نے، جو یہ سمجھ رہے ہیں کہ جو لوگ اختلاف مطالع کو معتبر نہیں مانتے، وہ نماز پڑھنے میں بھی اس کو معتبر نہیں مانتے، چنانچہ آپ کے پیش کردہ حوالے کے مطابق لکھتے ہیں ☜

Marfat.com

کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں۔

والد ماجد کی ایک تحقیق ارسال خدمت ہے۔اس میں ایک بحث ظاہر روایت کی بھی ہے۔ اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

۳---آپ نے مولانا احمد رضا خان کے فتاویٰ کی ثقاہت کو محل نظر قرار دیا ہے۔چلئے یونہی سہی، مگر میں نے ان کے فتویٰ کی ثقاہت کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔میں نے تو یہ عرض کی تھی کہ برصغیر کی اکثریت جن لوگوں کے فتویٰ پر اعتماد کرتی ہے ان کی یہی رائے ہے، اور یہ تو آپ کو بھی تسلیم ہے کہ پوری ایک ''امت'' ان کی پیروکار ہے۔یوں بھی انہوں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی ؛ بلکہ ائمہ ثلثہ کے فتویٰ کے مطابق فیصلہ دیا ہے اس لئے ان کے اس فتویٰ کو محل نظر قرار دینا بذات خود محل نظر ہے۔رہے ان کے دیگر فتاویٰ تو وہ زیر بحث مسئلے سے غیر متعلق ہیں۔

۴---میری الجھنوں کو آپ نے مستثنیات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے---''چونکہ یہ تغیر عمداً نہیں بلکہ مجبوراً ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے امید ہے---الخ''

عالیجاہ! یہ خود ساختہ مجبوری ہے۔یعنی پہلے ائمہ ثلثہ اور بیشتر فقہاء کی تحقیق کے برعکس اختلاف مطالع کو معتبر مانا اور جب لاینحل الجھن پیدا ہوئی تو اس کو از خود مستثنیات میں شامل کر کے جی بہلا لیا۔ حالانکہ استثناء تب درست ہو سکتی ہے جب دوسری کوئی صورت نہ ہو؛ جبکہ یہاں نہ صرف یہ کہ متبادل صورت موجود ہے؛ بلکہ وہی بیشتر ائمہ دین کا مذہب ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے نہ کوئی مجبوری لاحق ہوتی ہے، نہ استثناء کی ضرورت پڑتی ہے۔پھر کیا ضرورت ہے معدودے چند متاخرین کے پیچھے لگنے کی

---

''دوسرا مسئلہ، کہ اختلاف مطلع نماز کے پڑھنے اور روزہ کے رکھنے اور توڑنے کے لئے معتبر ہوگا یا نہیں۔عام طور پر علماء احناف اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اختلاف مطلع کا اعتبار نہیں کرتے۔''ص،۶

اگر آپ نے نقل بمطابق اصل کی ہے تو ندوی صاحب کی عقل ودانش پر رونے کے سوا کیا کیا جا سکتا ہے؟

اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو مجبور و مستثنیٰ فرض کرنے کی---!؟

۵---آپ نے مزید تحریر فرمایا---''جب سعودی عرب میں لوگ نماز عصر ادا کر رہے ہوتے ہیں تو کیا ٹیلیویژن پر یہ منظر دیکھ کر ہم بھی نماز عصر پڑھنے لگ جائیں، اگرچہ یہاں نماز مغرب کا وقت ہو؟''

یہی بات ڈاکٹر محمد نواز صاحب نے کہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ''رویت ہلال'' صفحہ نمبر ۶۳ نکتہ نمبر ۶ اور یہ عاجز اس کا پوری تفصیل سے جواب دے چکا ہے۔ صفحات ۷۰، ۷۱۔ غالباً آپ بالاستیعاب ''رویت ہلال'' کا مطالعہ نہیں فرما سکے ہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرے جواب سے آپ کو اتفاق نہ ہو مگر آپ نے عدم اتفاق کی وجہ کوئی نہیں تحریر فرمائی۔

لیلۃ القدر کے بارے میں آپ نے عجیب بات لکھی ہے کہ ہو سکتا ہے کسی جگہ لیلۃ القدر ۲۷ کو ہو اور کسی جگہ ۲۵ یا ۲۳ وغیرہ کو۔

گرامی قدر! ہو سکنے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے مگر ہوتا وہی ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہو اور قرآن کی رو سے لیلۃ القدر پوری دنیا میں صرف ایک ہی ہوتی ہے کیونکہ لیلۃ القدر کا سب سے بڑا شرف اور خصوصی امتیاز یہ ہے کہ اس میں نزول قرآن کا آغاز ہوا تھا۔ اب اگر فرض کیا جائے کہ آغاز نزول والی رات کو صرف عرب کے مطلع کے مطابق لیلۃ القدر تھی اور دیگر مطالع پر کسی اور رات کو لیلۃ القدر ہونی تھی یا ہو چکی تھی تو اس صورت میں باقی لیلۃ القدریں نزول قرآن کے شرف سے محروم اور خالی ہوں گی۔ اس طرح نزول قرآن والی لیلۃ القدر تو ہمیشہ عربوں کے حصے میں آیا کرے گی اور ہم عجمیوں کو آپ کی مفروضہ لیلۃ القدروں پر ہی گزارا کرنا پڑے گا جو نزول قرآن کے شرف سے یکسر معرّی ہوں گی کیونکہ نزول قرآن کا آغاز ایک ہی رات میں ہوا تھا۔ اگرچہ وہ مخصوص رات تعین کے ساتھ معلوم نہیں؛ تاہم تھی وہ آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات، نہ کہ متعدد راتیں۔

رہی تہجد والی بات تو اس میں کیا اشکال ہے؟ جونہی مشرق اقصیٰ میں تہجد کا آغاز ہوگا اللہ پاک

Marfat.com

آسمان دنیا پر نزول جلال فرمائے گا اور تین سوالوں کی منادی فرمائے گا۔ جوں جوں تہجد کا وقت آگے چلتا جائے گا، اسی تناسب سے تہجد کے ساتھ مخصوص برکات وتجلیات اور منادیاں بھی ساتھ چلتی جائیں گی تا آنکہ اقصائے مغرب میں تہجد کا وقت ختم ہو جائے اور صبح نمودار ہو جائے۔ یہی صورت لیلۃ القدر کی ہوگی۔ فرض کیجئے کہ لیلۃ القدر شب جمعہ کو ہو، تو جونہی اقصائے مشرق میں شب جمعہ شروع ہوگی، وہاں لیلۃ القدر کی برکات نازل ہونے لگیں گی اور جیسے جیسے شب جمعہ آگے بڑھتی جائے گی، اسی نسبت سے لیلۃ القدر سے مختص برکتیں آگے بڑھتی جائیں گی تا آنکہ مغرب اقصیٰ میں شب جمعہ ختم ہو جائے اور جمعہ کی فجر طلوع ہو جائے۔ جب تک دنیا کے کسی حصے میں شب جمعہ موجود ہوگی، اس حصے میں لیلۃ القدر بھی موجود ہوگی اور جب پوری دنیا میں سے شب جمعہ ختم ہو جائے گی تو پوری دنیا سے لیلۃ القدر بھی ختم ہو جائے گی۔

الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کی روشنی میں فقہاء امت نے ہمارے لئے ایسا واضح اور سہل نظام وضع کر دیا ہے کہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں اختلاف مطالع کی گنجلک بحثوں، فلکیات کے پیچیدہ مشاہدوں، درجوں، دقیقوں کے حسابوں، طول بلد وعرض بلد کی پیمائشوں اور اختلاف مطالع کی حدود متعین کرنے کے لئے تخمینی اور ظنی مسافتوں کے گورکھ دھندے میں الجھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور جونہی کسی جگہ رمضان کا چاند ہوتا ہے، وہ سارے جہان کے لئے ہوتا ہے۔ اگر کسی کو بروقت اطلاع نہیں ملتی تو اس کو پہلا روزہ قضا کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ کوکب دری کے حوالے سے واضح کر چکا ہوں۔ فتاویٰ رشیدیہ اور کوکب دری میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ میں مولانا نے جس نظریے کو ظاہر روایت قرار دیا ہے، کوکب دری میں اسی کے مطابق فیصلہ دیا ہے اور بعض حنفیہ کی رائے کو نا قابل التفات سمجھتے ہوئے سرے سے ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ فجزاہ اللہ فی الدارین خیرًا.

یہ بھی واضح رہے کہ ظاہر روایت میں رمضان اور ذی الحجہ کے چاند میں کوئی فرق نہیں اور دونوں میں اختلاف مطالع غیر معتبر ہے؛ البتہ علامہ شامی نے اکابر فقہاء کے کلام سے ایک کمزور سا

Marfat.com

استنباط کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ کتاب الحج میں متقدمین کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اختلاف مطالع حج میں معتبر ہے کیونکہ لوگوں پر کوئی چیز لازم نہیں آتی، اگر ان پر ظاہر ہو جائے کہ ان کی رویت سے ایک دن پہلے کسی اور شہر میں چاند دیکھا گیا ہے۔ علامہ شامی کی عبارت یہ ہے

(تنبیہ) یفهم من کلامهم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیه معتبر، فلا یلزمهم شیئ لو ظهر انه رؤی فی بلدة اخری قبلهم بیوم. (ردالمحتار، ج۲، ص۱۰۵)

استنباط کا ضعف اسی سے ظاہر ہے کہ رمضان کی تقدیم تاٴخیر سے تو روزے کی قضا لازم آتی ہے، بھلا ذی الحجہ کے چاند میں تقدیم تاٴخیر سے لوگوں پر کیا لازم آنا چاہئے---!؟ جہاں تک حج کا تعلق ہے تو وہ آٹھ دن بعد شروع ہوتا ہے اور تب تک بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کہاں چاند پہلے نظر آیا تھا اور اس کے مطابق تمام عالم اسلام کے لئے ذی الحجہ کی پہلی تاریخ متعین کی جا سکتی ہے۔ ورنہ تو جو آدمی یہاں سے ۲رذی الحجہ کو جائے گا، وہ اپنی رویت کے حساب سے وہاں سات یا آٹھ ذی الحجہ کو یوم عرفہ منا رہا ہوگا---! کیا رمضان پر قیاس کر کے یہاں بھی آپ یہی کہیں گے کہ اپنی رویت کے اعتبار سے تو اس پر ابھی قیام عرفہ فرض نہیں ہوا؛ تاہم وہاں کی رویت کے احترام میں اس کو سات یا آٹھ تاریخ کو ہی قیام عرفہ کر لینا چاہئے---! کیا قبل از وقت قیام کر لینے سے فرض ادا ہو جائے گا؟

اب آتے ہیں آپ کے مضمون کے ابتدائی حصے کی طرف

۱---آپ نے حدیث اعرابی پیش کرنے کے بعد لکھا ہے---''آپ نے حدیث کریب کی گواہی کو خبر واحد کہہ کر نا قابل قبول قرار دیتے وقت اس حدیث کی طرف التفات کیوں نہیں فرمایا، آپ خود بہتر سمجھتے ہیں۔''

مخدوم من! حدیث اعرابی میں تو اشارۃً بھی کہیں مطلع ابر آلود ہونے کا ذکر نہیں، جبکہ صفحہ ۵ پر آپ کے پیش کردہ حوالے کے مطابق رمضان کا چاند دیکھنے کے متعلق ایک آدمی کی گواہی صرف اس وقت قابل قبول ہوگی جب مطلع ابر آلود ہو۔ آپ نے خبر واحد کو مطلقاً مقبول قرار دیتے وقت دار لعلوم

Marfat.com

دیوبند کے اس فتوے کی طرف التفات کیوں نہیں فرمایا، آپ خود بہتر سمجھتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے ادھر اُدھر گھوڑے کیوں نہیں دڑوائے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عمومی حکم دے رکھا تھا کہ فلیبلغ الشاھدالغائب اور صحابہ کرام اس پر دل وجان سے عمل کرتے تھے اس لئے آپ ﷺ کو بار بار یاددہانی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

ب---کریب کی شہادت قبول نہ کرنے کی وجہ ائمہ ثلثہ نے شہادت ناقص ہونا ہی قرار دیا ہے اور اس کی وجہ بھی نہایت معقول بیان کی ہے، مگر طوالت سے بچنے کے لئے میں اسے ترک کر رہا ہوں۔ آپ کسی بھی حنفی، مالکی یا حنبلی کی شرح اُٹھا کر دیکھ لیں، آپ کو تفصیل مل جائے گی۔ رہے علماء اہل حدیث، تو وہ ائمہ کی پیروی سے آزاد ہیں اس لئے ان کے استنباط کردہ فوائد ہمارے لئے سند نہیں ہیں۔

ج---شہادت اور ریڈیو، ٹی وی کی خبر میں فرق ہونے کے بارے میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے، مجھے اس سے مکمل اتفاق ہے، میں نے بین الاسلامی رؤیت ہلال کمیٹی کے لئے شہادتوں کا اہتمام ضروری قرار دیا ہے اور تمام ممالک اسلامیہ کے نمائندے، جو اس مسئلے پر شہادتوں کے مطابق فیصلہ دینے کے مجاز ہوں گے، ان کے فیصلے اور قضاء کے بعد ہی تمام ممالک کے لئے اس کا اتباع لازم ہوگا ورنہ نہیں۔

د---نیوزی لینڈ وغیرہ والے اگر سحری سے پہلے بین الاسلامی رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلے سے قابل اعتماد ذریعے سے آگاہ ہو سکتے ہیں تو ان کو فیصلے کا انتظار کرنا ہوگا، ورنہ انہیں ایک روزہ قضا کرنا پڑے گا، جیسا کہ کوکب دری کی تصریح سے واضح ہے، لیکن اس طرح روزہ قضا ہو جانے کا انہیں کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ ان کے اختیار سے باہر معاملہ ہے---ایسی صورت حال مقامی طور پر بھی پیش آ سکتی ہے، جب انتیس شعبان کو شہادتیں میسر نہ آئیں اور تیس شعبان کے دن شہادتیں گزر جائیں کہ گزشتہ شب کو چاند دیکھا گیا تھا، ایسی صورت میں ایک روزہ قضا کرنا پڑے گا مگر غیر اختیاری معاملہ ہونے کی وجہ سے گناہ گار کوئی بھی نہیں ہوگا---تاہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں کہ جہاں

Marfat.com

بآسانی اطلاع پہنچ سکتی ہو وہاں محض اس لئے روزہ نہ رکھا جائے کہ نیوزی لینڈ وغیرہ میں نہیں رکھا جا سکتا۔ جس طرح ساری دنیا میں روزے کا آغاز واختتام فجر ومغرب پر ہوتا ہے لیکن جن ممالک میں دن اور راتیں مہینوں پر محیط ہو جائیں، وہاں ایسا نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاں صبح اور مغرب کے مطابق سحر وافطار کی جا سکتی ہو، وہاں اس طریقے کو صرف اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ قطب شمالی میں ایسا نہیں ہوسکتا۔

ھ---اصولی باتوں کے تحت جو کچھ آپ نے ذکر کیا وہ موہوم خدشات ہیں اور ایسے خدشات کا احتمال تو ہر صورت میں قائم رہتا ہے۔ مثلاً یہ کہ خبر غلط نشر کی جا سکتی ہے---اگر خبر غلط نشر کی جا سکتی ہے تو شہادت بھی غلط دی جا سکتی ہے۔ غالباً گزشتہ سال ہی چار سدہ کے مولویوں نے ایسی ہی شہادتوں کی بنا پر سعودی عرب سے بھی ایک دن پہلے عید کر لی تھی۔ ایسے احتمالات اور شاذ ونادر واقعات کی وجہ سے مسائل نہیں بدلا کرتے۔

و---یہ عجیب خدشہ ظاہر کیا ہے آپ نے کہ ساری دنیا کا مواصلاتی نظام درہم برہم ہو گیا تو پھر کیا ہوگا---؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہیں تک اختلاف مطالع غیر معتبر ہوگا جہاں تک طریق موجب سے اطلاع پہنچانا ممکن ہوگا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب یہ سہولت میسر ہو تو محض ایک امکانی خطرے کے پیش نظر اس سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے۔ جیسے آجکل مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً (جو حج کی استطاعت رکھے) وہ ہے جو ہوائی جہاز پر سفر کر سکتا ہو اگر کسی حادثے سے ساری دنیا کے ہوائی جہاز، بحری جہاز اور موٹریں بسیں ختم ہو گئیں تو مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً وہ ہو جائے گا جو پیدل یا اونٹ وغیرہ پر جا سکے۔ اس سے اسلام کو کیا نقصان پہنچے گا اور دین کیوں مذاق بن جائے گا---!؟

ز---متحدہ ہندوستان اور اس سے پہلے کی اسلامی حکومتوں نے اگر ایک ہی دن روزے اور عید کا اہتمام نہیں کیا تو یہ ان کی غلطی ہے۔ جہاں تک علماء فقہاء اور محدثین کا تعلق ہے تو وہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے زمانے سے آج تک یہی کہتے اور لکھتے چلے آ رہے ہیں کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اختلاف

مطالع کا کوئی اعتبار نہیں۔ نہ بلاد قریبہ میں، نہ بلاد بعیدہ میں۔ اگر حکومتوں نے اس فتویٰ پر عمل نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ائمہ ثلثہ کے متفقہ فتویٰ کے برعکس وہ رائے اختیار کر لی جائے جس سے ان حکومتوں کی غلطیوں کی پردہ پوشی ہو سکے اور ان کی کوتاہیوں کے لئے جواز فراہم کیا جا سکے۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب و الیه المرجع والمآب

و صلی الله علی سیدالانبیاء والمرسلین و علی آله و اضحابه اجمعین

Marfat.com

# ھندو دھرم کی حقیقت

(ہندومت کی مستند کتابوں کی روشنی میں)

محترم جناب سید محمود شاہ صاحب (پشاور) کے ایك محب ڈاکٹر عارف صاحب نے ان کے نام لندن سے ایك خط لکھا تھا جس میں بتایا تھا کہ میرے ایك دوست ڈاکٹر فاروق صاحب اسلام کو چھوڑ کر ھندو مت اختیار کر بیٹھے ھیں اور کھتے ھیں کہ دونوں مذھب اصل میں ایك جیسے ھیں کیونکہ مسلمانوں میں بھی ذات پات کی تقسیم اسی طرح ھے جس طرح ھندو مذھب میں ھے، جبکہ اسلام کے مقابلے میں ھندو مذھب زیادہ اوریجنل ( Original)اور فطرتی ھے۔ نیز وہ یہ بھی کھتے ھیں کہ ایك عیسائی پاپ سنگر نے جا بجا شو منعقد کرکے چندہ اکٹھا کیا اور افریقہ کے قحط زدہ لوگوں کی امداد کی، جبکہ مسلمانوں میں سے کسی مولوی یا پیر کو اس کی توفیق نہیں ھوئی۔

ڈاکٹر عارف صاحب نے شاہ صاحب کو لکھا تھا کہ براہ مہربانی ھندو مذھب اور اسلام کا ایسا تقابلی موازنہ کریں کہ ڈاکٹر فاروق پر اسلام کی حقانیت آشکارا ھو جائے اور وہ پھر سے اسلام میں لوٹ آئے۔ شاہ صاحب مکرم نے وہ خط جواب کے لئے مجھے بھیج دیا۔ میں نے اپنی استطاعت کے مطابق اس کا جواب لکھا۔ جسے پڑھ کر الحمدللّٰہ کہ ڈاکٹر فاروق صاحب پر حقیقت منکشف ھوگئی اور انھیں ھدایت نصیب ھوگئی۔ آئندہ صفحات پر وھی جواب پیش خدمت ھے۔ اس میں اگرچہ کسی حدتك فحاشی پائی جاتی ھے، مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ امید ھے کہ اھل علم حضرات کو یہ جواب بھت پسند آئے گا۔

(دائم)

Marfat.com

قاضی عبدالدائم دائمؔ کی طرف سے، جناب ڈاکٹر عارف صاحب کی خدمت میں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ محترم محمود شاہ صاحب کے نام آپ کا تحریر کردہ مکتوب پڑھا۔ فرقہ وارانہ جھگڑوں کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ہر مسلم کے دل کی آواز ہے بلاشبہ فرقہ بندی اور ایک دوسرے کو کافر بنانے کے مشغلہ نے اسلام کو جتنا نقصان پہنچایا ہے، اتنا کسی اور چیز نے نہیں پہنچایا۔ جو دین فرقوں اور ٹکڑوں میں بٹ جانے کا سب سے بڑا مخالف ہے، افسوس کہ اسی دین کے پیروکار کئی قسم کے فرقوں اور گروہوں میں بٹ کر پارہ پارہ ہو گئے ہیں؛ البتہ جناب فاروق احمد صاحب کے اس اقدام سے انتہائی دکھ ہوا ہے کہ انہوں نے اسلام کو چھوڑ کر ہندو دھرم اختیار کر لیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اوریجنل (ORIGINAL) مذہب ہے۔

مکرمی! کسی مذہب کی حقانیت کا دارومدار اس کے پیروکاروں کے طرز عمل پر نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کی حقیقی تعلیمات پر ہوتا ہے۔ اگر پیروکار غلط روش اختیار کر لیں تو اس میں مذہب بے چارے کا کیا قصور؟

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوؤں میں برہمن، کھشتری اور شودر ہیں۔ مسلمانوں میں سید، پٹھان اور کمی لوگ ہیں۔ ہندوؤں میں برہمن پاک صاف اور پیدائشی ولی ہیں۔ مسلمانوں میں سید پیدائشی پاک صاف اور ولی، باقی سب لوگ کمی کمین۔

سوال یہ ہے کہ اگر مسلمان ذات پات کے جھگڑوں میں الجھ گئے ہیں تو اس سے اسلام کی حقانیت پر کیا اثر پڑ گیا؟ اسلام نے تو اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ کا اصول پیش کیا ہے، کہ اللہ کے ہاں زیادہ باعزت وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ پیغمبر اسلام نے خطبۂ حجۃ الوداع میں واضح طور پر اعلان فرما دیا تھا کہ "کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ سب آدمؑ کی اولاد

Marfat.com

ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔'' وہ پیغمبر جو اللہ کا محبوب بھی تھا، اس نے اپنے خاندان والوں کو جمع کر کے کہا تھا ''اے صفیہ! میری پھوپھی، اپنے آپ کو آگ سے بچالو، اے فاطمہ! میری بیٹی! اپنے آپ کو آگ سے بچالو۔ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا۔ کیونکہ میں تمہیں خدا سے بچانے کا مالک نہیں ہوں۔'' اس پیغمبر نے کہا تھا ''اگر محمد کی بیٹی فاطمہ نے چوری کی ہوتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' آپ نے خود بھی لکھا ہے ''جبکہ اسلام نے سب مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔''

ہاں محترم! بلاشبہ اسلام نے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کا زریں قاعدہ بیان کیا ہے اور یہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ ذات پات کی تقسیم اسلامی تعلیمات کی رو سے سراسر غلط اور باطل ہے، لیکن افسوس کہ ہندو دھرم میں ایسا نہیں ہے۔ اس دھرم کی تو بنیاد ہی ذاتوں کی تقسیم پر ہے۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ ''اصل میں دونوں مذہب اچھے اور سچے تھے۔'' محض ان کی خوش فہمی ہے۔ چنانچہ ویدوں میں صراحتہً مذکور ہے کہ برہمن، برہما کے منہ سے پیدا ہوئے، کھشتری اس کے بازوؤں سے، ویش اس کے پیٹ سے اور شودر اس کے پاؤں سے۔ ظاہر ہے کہ پاؤں سے پیدا ہونے والے بدنصیب، منہ سے پیدا ہونے والے خوش نصیبوں کے ساتھ کب برابر ہو سکتے ہیں؟

مسلمان عملی طور پر ذات پات میں الجھنے کے باوجود عبادات میں مساوات پر عمل پیرا ہیں۔ یعنی جو عبادت سید کرے، وہی عبادت کمی بھی کر سکتا ہے۔ لیکن ہندو مذہب میں تو شودر وہ عبادت بھی نہیں کر سکتا جو برہمن کا حق ہے۔

مقدمہ تاریخ ہند قدیم ص ۴۹ پر لکھا ہے۔

''ایک روز ایک برہمن نے آ کر رام چندر جی کی خدمت میں عرض کی کہ میرا بیٹا چھوٹی ہی عمر میں فوت ہو گیا ہے۔ یہ دلیل اس بات کی ہے کہ آپ کے راج میں کوئی خرابی ضرور ہے۔ رام چندر جی یہ سن کر بہت رنجیدہ ہوئے اور رات دن اس تلاش میں رہنے لگے کہ میرے راج میں کون سی خرابی ہے؟ آخر انہوں نے ایک تالاب کے کنارے ایک سنیاسی کو دیکھا کہ سر نیچے اور پاؤں اوپر کئے ہوئے ایک

Marfat.com

درخت سے لٹکا ہوا ہے۔رام جی نے پوچھا ''تو کون ہے؟اور یہ ریاضت کیوں کر رہا ہے؟'' سنیاسی بولا ''میں ذات کا شودر ہوں۔ میں نے اس لئے یہ سخت مجاہدہ اختیار کیا ہے کہ اسی جسم کے ساتھ سورگ (جنت) میں پہنچوں۔'' یہ سن کر رام چندر جی کو بہت غصہ آیا اور یہ کہتے ہوئے کہ ''او پاپی! تو شودر ہو کر دوجِ ورن (اونچی ذات) والوں کے کام کر رہا ہے۔'' تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر اڑا دیا۔ یہ حسن عمل دیکھ کر دیوتاؤں نے اظہارِ خوشنودی کے لئے رام چندر جی پر پھول برسائے۔''

کیا کہنے رام چندر جی کی انصاف پسندی کے---! ایک شودر نے برہمنوں والا کام کیا تو اس سے رام جی کی راجدھانی میں اتنی زبردست خرابی پیدا ہوگئی کہ ایک برہمن کا بچہ چھوٹی ہی عمر میں مر گیا۔رام جی تلاش بسیار کے بعد آخر خرابی کی جڑ تک پہنچ گئے اور اُلٹے لٹکے ہوئے شودر کا سر قلم کر دیا کیونکہ درخت کے ساتھ الٹا لٹکنا صرف برہمن کا حق ہے۔اس حسن عمل کو دیکھ کر دیوتا پھولے نہ سمائے اور پھول برسانے لگے۔

ہندو دھرم میں برہمن کی فضیلت و برتری کا تو یہ عالم ہے کہ:

''اگر کسی عورت کے پہلے دس غیر برہمن خاوند ہوں، اگر برہمن اس کا ہاتھ پکڑ لے تو وہی اکیلا اس کا خاوند سمجھا جائے گا، کیونکہ برہمن ہی عورتوں کا مالک اور خاوند ہے، نہ کہ کھشتری اور ویش۔

(اتھروید، کانڈ نمبر ۵، سوکت نمبر ۱۷، منتر ۸ تا ۱۱)

شاید آپ حیران ہو رہے ہوں کہ ایک عورت کے دس خاوند کس طرح ہو سکتے ہیں؟ تو محترم حیرانگی کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ تو ویدک دھرم ہے۔چنانچہ جب دروپدی نے پانچ خاوند کر لئے اور اس کی اس حرکت پر اس کے باپ راجہ دروپد کو افسوس ہوا تو مہارشی ویاس جی نے فرمایا۔

''اے دروپد! افسوس نہ کر۔کیونکہ ایک عورت کے ایک ساتھ انیک (متعدد) خاوند ہونا عین ویدک دھرم ہے۔'' (مہابھارت، ادھیائے نمبر ۱۹۷)

ممکن ہے، ڈاکٹر فاروق صاحب کو یہ مذہب اسی بنا پر اور یجنل لگا ہو کہ اسلام نے مرد کو تو

متعدد شادیوں کی بیک وقت اجازت دے رکھی ہے، لیکن عورتوں کو اس ''حق'' سے محروم کر دیا ہے، جب کہ ہندومت میں مرد کی طرح عورت بھی کئی خاوند بیک وقت کر سکتی ہے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ یہ فطرتی مساوات اسی وقت تک برقرار رہے گی جب تک اس عورت پر کسی برہمن کی نظر نہ پڑے۔ جونہی وہ کسی برہمن کے من کو بھا گئی، وہ اکیلا اس کو لے کر چلتا بنے گا اور دس غیر برہمن خاوند اس کا منہ دیکھتے اور اپنے ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔

اگر بات صرف خاوندوں تک رہتی تو پھر بھی خیر تھی، غضب تو یہ ہے کہ ہندومت کی مقدس کتابوں میں کہیں عورتیں گھوڑوں کے ساتھ بھی ہم آغوش نظر آتی ہیں۔ چنانچہ راجہ دسرت (رام چندر جی کے والد بزرگوار) کے ہاں جب اولاد نہ ہوئی تو:

''راجہ نے اشومیدھ جگ کیا، جس کا طریقہ یہ تھا کہ جگ کرنے والے کی رانی، قربان ہونے والے گھوڑے کو بلدان کرتی تھی اور اس گھوڑے کے ساتھ ایک رات رہتی تھی۔ چنانچہ کوشلیا (دسرت صاحب کی زوجہ محترمہ) نے گھوڑے سے مراسم ادا کئے۔ (مقدمہ تاریخ ہند قدیم ص ۱۳۸)

پرنسپل گرفتھ صاحب کا علمی دنیا پر احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے ویدوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ لیکن ویدوں کی فحاشی اور عریانی کا یہ عالم ہے کہ گرفتھ صاحب ایک آزاد معاشرے اور بیباک ماحول کا پروردہ ہونے کے باوجود ایک جگہ (جہاں یجمان کی بیوی کا گھوڑے کے ساتھ.....کی مفصل کیفیات درج ہیں) ہتھیار ڈال بیٹھے اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ :

This and the following nine stanzas are not reproduceable even in the semi obscurists of a learned European language.

(یجروید، ادھیائے نمبر ۲۳، جنتر ۲۸ تا ۳۸)

یہ منتر اور اس کے بعد والے نو منتر اس قابل نہیں ہیں کہ ان کا یورپ کی کسی بھی مہذب زبان

Marfat.com

میں ترجمہ کیا جاسکے۔

جب گرفتھ صاحب ہی ہار مان گئے، تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ڈاکٹر فاروق صاحب؛ البتہ ہندوستان سے تشریف لائے ہیں۔ ممکن ہے ویدوں کی اصل زبان جانتے ہوں، وہ مندرجہ بالا دس منتروں کا مطالعہ کر کے بھرپور لطف اٹھا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر فاروق صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہندوازم ایک سادہ اور آسان مذہب ہے۔ پتہ نہیں، یہ بات انہوں نے کس بنا پر کہہ دی ہے۔ کیونکہ مذہب کی پہلی بنیاد خدا کا تصور ہے۔ قرآن حکیم نے خدا کا یہ صاف ستھرا تصور پیش کیا ہے کہ وہ ایک ہے، بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔ غرضیکہ مسلمانوں کا خدا ازلی، ابدی اور غیر فانی ہے۔ مگر ہندوؤں کا مشہور خدا ''رام'' دسرت کا بیٹا، سیتا کا شوہر اور لکشمن کا بھائی ہے۔

(واضح رہے کہ رام سے مراد وہی رام چندر ہیں جنہوں نے ایک شودر کو برہمنوں والی ریاضت کرنے کے جرم میں مار ڈالا تھا اور ان کی بیوی سیتا وہ ''پاکدامن'' دیوی ہے، جو رام چندر جی کو چھوڑ کر راجہ راون کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔)

اسی بناء پر رام کا خدا ہونا خود ہندوؤں کے لئے نا قابلِ فہم ہے۔ ایک ہندو نے گاندھی جی سے یہی سوال کیا تھا۔ سوال و جواب درج ذیل ہیں۔

سوال: وہ رام جسے آپ (گاندھی جی) غیر فانی سمجھتے ہیں، کس طرح دسرت کا بیٹا اور سیتا کا خاوند ہو سکتا ہے؟

جواب: ست تلسی داس نے بھی یہ سوال اٹھایا تھا اور اس کا خود ہی جواب بھی دیا ہے۔ اس جواب کو عقلی طور پر سمجھایا نہیں جا سکتا۔ یہ تو دل کی بات دل سے ہے۔ میں ابتداء میں اس رام کی پرستش کرتا تھا جو سیتا کا خاوند ہے۔ لیکن جوں جوں خدا کے متعلق میرا علم اور تجربہ بڑھتا گیا، وہ رام غیر فانی اور حاضر و ناظر ہوتا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ سیتا کا خاوند نہیں رہا؛ بلکہ رام کے تصور کی وسعت

Marfat.com

سے سیتا کے خاوند کا مفہوم بھی وسیع ہوتا چلا گیا۔اس شخص کے لئے رام کبھی حاضر ناظر نہیں ہوسکتا جو اسے صرف دسرت کا بیٹا سمجھتا ہے۔لیکن جو شخص رام کو خدا مانتا ہے،اس کے لئے اس حاضر وناظر خدا کا باپ بھی حاضر وناظر ہو جاتا ہے۔باپ اور بیٹا ایک ہو جاتے ہیں۔اس وقت رام، دسرت کا بیٹا، سیتا کا خاوند، بھرت اور لکشمن کا بھائی ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا اور اس کے باوجود غیر مخلوق اور ازلی خدا بھی ہوتا ہے۔ (اخبار ہریجن بابت ستمبر ۱۹۴۶ء)

کچھ سمجھ میں آیا آپ کی، سیتا کے خاوند کا یہ وسیع مفہوم---؟ باپ اور بیٹا ایک ہو جاتے ہیں---بیٹا ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا---خاوند ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا---بھائی ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا---اور باپ سے پیدا ہونے کے باوجود غیر مخلوق اور ازلی بھی ہوتا ہے۔سوال کرنے والا بے چارہ پہلے ہی کیا کم الجھا ہوا تھا کہ اوپر سے گاندھی جی نے یہ فلسفہ بگھار دیا۔یہ گورکھ دھندا پیش کرنے پر ہم گاندھی جی کی آنجہانی روح کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

پھر اکیلے رام جی ہوتے تو کچھ کھینچا تانی کر کے ان کی خدائی کو بچانے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔مصیبت تو یہ ہے کہ ہندو دھرم میں خداؤں کی قطاریں لگی ہیں۔مسٹر گووند داس ''ہندوازم'' کے صفحہ نمبر ۱۵۹ پر لکھتے ہیں۔

''ویدوں میں تینتیس دیوتا تھے،لیکن بعد میں ان کی تعداد تینتیس کروڑ تک پہنچ گئی۔''

صرف تینتیس دیوتاؤں پر گذارہ ہو بھی کیسے سکتا ہے، جب کہ ہندو دھرم میں ہر ایک چیز کا دیوتا علیحدہ ہے۔چنانچہ ''تیز رفتار گھوڑے، مارخور بکرے اور نیل گائے کا دیوتا سورج ہے۔کالی گردن والے پشو کی دیوی اگنی ہے۔داغدار پیشانی والی بھیڑ کی دیوی سرسوتی ہے۔بغیر بہار آئے سانڈ سے جفتی کر کے اسقاط حمل کرنے والی گائے کا دیوتا وشنو ہے۔'' (اسی طرح بیسیوں نام گنا کر ان کے دیوتا بیان کئے گئے ہیں۔) (یجروید۔ادھیائے نمبر ۲۴)

دیوتاؤں کے اس جھرمٹ میں برہما ایک نمایاں دیوتا ہے، کیونکہ ہندو عقیدہ کے مطابق وہ

Marfat.com

خالق کائنات ہے۔(برہما صاحب کو تخلیقِ کائنات کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے، یہ ایک الگ داستان ہے، جو خاصی دلچسپ اور مضحکہ خیز ہے۔ مگر طویل ہونے کی وجہ سے خط کے مختصر سے دامن میں نہیں سما سکتی۔ اگر ڈاکٹر فاروق صاحب جاننا چاہیں تو سوامی دیانند جی کی ''ستیارتھ پرکاش'' ص ۳۴۰ کا مطالعہ فرمائیں۔)

داس گیتا کے صفحہ ۴۸ پر ہے۔ ''کائنات میں جو کچھ ہے، سب برہما سے نکلا ہے اور برہما ہی میں واپس جائے گا۔''

ظاہر ہے کہ تخلیق کائنات جیسا عظیم کارنامہ انجام دینے پر برہما دیوتا ہر لحاظ سے پرستش کا مستحق تھا، مگر اس کی پرستش بند کر دی گئی --- کیوں؟ --- اس لئے کہ --- ''ایک دفعہ شیو جی نے دیکھا کہ وہ اپنی لڑکی سرسوتی سے منہ کالا کرنا چاہتا تھا۔'' (ہندوازم، از مسٹر گووند داس، ص ۱۸۴)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ o --- وہ تو خیر ہوئی کہ شیو جی کی بروقت نظر پڑ گئی ورنہ سرسوتی صاحبہ کا خدا ہی حافظ تھا۔

ایک اور مشہور دیوتا ہے ''اندر دیوتا۔'' اس کے کردار کی ایک جھلک بھی ملاحظہ فرماتے جایئے۔

''برہما'' کی بیٹی ''اہلیا'' جو گوتم رشی کی بیوی تھی، اس کے ساتھ اندر دیوتا نے، جو گوتم رشی کے شاگرد تھے، نامناسب حرکت کی اور گوتم رشی نے ''اندر'' کو بددعا دی، جس سے ان کے جسم پر ایک ہزار علامات تانیث (عورتوں کی علامتیں) نمودار ہو گئیں۔'' (مقدمہ تاریخ ہند قدیم، ص ۱۳۸)

کیسی ہولناک بددعا دی گوتم رشی نے اندر دیوتا کو کہ اس کے بدن پر پانچ، دس، سو نہیں، اکٹھی ایک ہزار تانیث کی علامتیں پیدا ہو گئیں۔ بے چارے کا پورا بدن ہی ان علامات سے ڈھک گیا ہوگا --- لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی اندر صاحب دیوتا ہی ہیں۔

مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب! یہ ہے ہندوؤں کے مذہب کا خاکہ اور ان کے دیوتاؤں کے کارناموں کی ایک جھلک۔

Marfat.com

سخت تعجب ہے کہ ڈاکٹر فاروق جیسا تعلیم یافتہ انسان، اسلام جیسے آفاقی تعلیمات والے دین کو ترک کر کے ہندومت کی بھول بھلیوں میں گم ہوگیا ہے۔ ان کی خدمت میں بصد ادب گذارش ہے کہ وہ ویدوں، پرانوں، اپنشدوں، مہابھارت اور گیتا وغیرہ کا مطالعہ کریں، پھر قرآن حکیم میں غور وفکر کریں اور اس کی شستہ و پاکیزہ آیات کا ترجمہ پڑھیں تو انہیں خود ہی معلوم ہوجائے گا کہ اصلی، آسان، سادہ اور سچا مذہب کون سا ہے؟

ڈاکٹر فاروق صاحب نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ برطانیہ کے ایک گویّے نے مختلف جگہوں پر شو منعقد کر کے لاکھوں ڈالر جمع کئے ہیں اور کئی ماہ سے افریقہ کے قحط زدہ مسلمانوں کو کھلا رہا ہے۔ جب کہ کسی مولوی، پیر کے کان پر جوں تک نہیں رینگی وغیرہ وغیرہ۔

چلئے مان لیا کہ مولوی اور پیر بے حس ہوگئے ہیں مگر یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ یہ کارنامہ تو ایک عیسائی نے انجام دیا ہے، نہ کہ کسی ہندو نے، مگر ڈاکٹر صاحب نے عیسائیت اختیار کرنے کے بجائے ہندومت کے دامن میں جا پناہ ڈھونڈی---!

ارے صاحب! اسلام چھوڑنا ہی تھا تو عیسائی بنے ہوتے کہ عیسائیوں میں کم از کم ایک جیالا تو ایسا ہے جو دکھی انسانیت کا درد بانٹتا پھرتا ہے۔

محترم! یہ سب کچی باتیں ہیں۔ اسلام میں کسی مولوی، پیر، سید یا صاحبزادے کا عمل سند نہیں ہے؛ بلکہ مصطفیٰ ﷺ کا عمل سند ہے اور مصطفیٰ نے آپ کے اپنے اعتراف کے مطابق اس وقت اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھ رکھے تھے جب سب نے ایک ایک باندھا ہوا تھا۔

کیا ہندو دھرم کے کسی دیوتا نے بھی مساوات کی ایسی لافانی مثال پیش کی ہے؟

باقی رہا فرقہ بندی کا معاملہ، تو میں خط کے شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ اسلام کی درخشاں پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے۔ لیکن اس سلسلے میں اکیلے اسلام پر الزام دھرنا بھی نامعقول ہے۔ کیونکہ آپ جس ملک کی انسانی اقدار اور مساوات کی تعریف کر رہے ہیں، وہ عیسائیت کا پیروکار ہے اور

Marfat.com

عیسائیوں کے پادری صاحبان تو ایک زمانے میں صرف کسی منصب کے حصول کی خاطر لڑائیوں اور جھگڑوں کا بازار گرم کیے رکھتے تھے۔ چنانچہ Mr:SALE اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''گرجا کے پادریوں نے مذہب کو ٹکڑے کر دیا تھا اور امن و محبت اور نیکی کا نام و نشان مٹا ڈالا تھا--- نیس کی کونسل کے بعد مشرقی چرچ روزانہ مناظروں میں مصروف رہتے لگا اور ایرینس، سیل نیس، قسطور نیس اور یوٹیک نیس کے جھگڑوں میں پارہ پارہ ہو گیا---مغربی چرچ میں ڈینس اور ارسینی نس نے بشپ کی جگہ حاصل کرنے کے لئے قتل مقاتلے تک نوبت پہنچا دی۔ آخر فتح ڈینس کی ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر سی نیس کے گرجا میں ایک دن میں ایک سو سینتیس آدمی قتل کیے ہوئے پائے گئے۔''

تعجب ہے کہ عیسائیوں کے پادری بشپ کی جگہ حاصل کرنے کے لئے روزانہ کشتوں کے پشتے لگاتے رہیں تو بھی عیسائیت امن و سلامتی کا مذہب رہتا ہے اور مسلمانوں کے صرف ایک مولوی صاحب (۱) فوت ہو جائیں تو اسلام جنگلیوں اور وحشیوں کا مذہب بن جاتا ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

مجھے اس پر بھی حیرت ہے، کہ آپ نے برطانیہ کو انسانی مساوات کا علم بردار ملک قرار دیا ہے، جب کہ وہاں سفید فاموں نے سیاہ فاموں کے ساتھ جو امتیازی سلوک روا رکھا ہوا ہے۔ اس سے انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ سفید فاموں کے سکول میں کسی سیاہ فام بچے کے داخلہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چند سال بیشتر تک سفید فاموں کے ہوٹلوں کے مین گیٹ پر یہ عبارت تحریر ہوتی تھی۔

---

(۱) ڈاکٹر صاحب نے لکھا تھا کہ ایک فرقہ وارانہ جھگڑے کے دوران یہاں ایک مولوی صاحب فوت ہو گئے تھے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام ایک وحشیانہ مذہب ہے۔

Marfat.com

BLACKS AND DOGS NOT ALLOWED.

جنوبی افریقہ میں غیر ملکی سفید فام اقلیت نے قبضہ کر رکھا ہے اور وہاں کے سیاہ فام باشندوں کو ہر قسم کے حقوق سے محروم کیا ہوا ہے۔ ساری دنیا اس کے خلاف واویلا مچا رہی ہے، مگر گوری اقلیت ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ لندن میں تو کچھ عرصہ پہلے گوروں نے کالوں پر حملہ کر دیا تھا، ان کی دکانیں لوٹ لی تھیں اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ مہذب ہیں، متمدن ہیں، شریف ہیں اور انسانی اقدار و مساوات کے علمبردار ہیں۔ برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر۔

آخر میں ڈاکٹر فاروق صاحب کی خدمت میں دردمندانہ گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اپنی یہ غیر معمولی قابلیتیں اسلام کے فروغ و ترقی کے لئے اور اس کے مخالفین کے رد کے لئے استعمال فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اھدنا الصراط المستقیم ٥ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ٥ آمین۔

❁❁❁

Marfat.com

# ”تقریظاتِ رضا“

## محترم سید صابر حسین شاہ صاحب کی کتاب ”تقاریظ امام احمد رضا“ کے لئے لکھا گیا مقدمہ

تقریظیں تو لوگ نہ جانے کب سے لکھ رہے ہیں اور کب تک لکھتے رہیں گے مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی تقاریظ کس نے لکھی ہیں اور کون لکھ سکے گا--!

ان کی ساری عمر اللہ تعالیٰ کی توحید و تقدیس اجاگر کرنے، حضور ﷺ کی عظمت و رفعت بیان کرنے اور اہل سنت کے صحیح عقائد کی ترجمانی میں بسر ہوئی اس لئے تقریظ لکھنے میں بھی ان مقاصد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور جو کتاب اس معیار پر پوری نہ اُتری اس پر تقریظ لکھنا گوارا نہ کیا۔

مولانا عنایت اللہ خان رامپواری کے صاحبزادے اپنے والد گرامی کی لکھی ہوئی ایک کتاب لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقریظ لکھنے کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت نے اس کتاب کے مختلف مقامات کا جائزہ لیا تو وہ مندرجہ بالا مقاصد سے تہی دامن نظر آئی ؛ بلکہ اس کے بعض مندرجات ایسے تھے کہ امت مسلمہ میں بے چینی کا سبب بن سکتے تھے؛ جبکہ اعلیٰ حضرت کی شب و روز مساعی کا محور یہ تھا کہ مسلمانوں کو اضطراب و انتشار سے بچایا جائے، اس لئے آپ نے اس پر تقریظ لکھنے سے معذرت کر لی اور صاف لفظوں میں واضح فرما دیا کہ

Marfat.com

''زمانہ وہ آ گیا ہے کہ خود اصول دین میں فتنہ اندازوں کی گھٹائیں چاروں طرف گھنگور چھائی ہوئی ہیں۔اس وقت مسلمانوں کواس کی حاجت ہے کہ انہیں الٰہیات ونبوّات کے عقائد سکھائے جائیں، اللہ کواللہ، رسول کورسول جاننے اور ماننے کے معنی بتائے جائیں (اور) ان کا ایمان سنبھالا جائے، نہ کہ اوراضطراب میں ڈالا جائے۔''

[فتاوٰی رضویہ، مطبوعہ بمبئی، ج۱۲ص۱۲۷]

ہاں، اگر کوئی کتاب درج بالا مقاصد عالیہ سے ہم آہنگ ہوتی تو پھر اعلیٰ حضرت کے افکار کی جولانی اور قلم کی روانی اپنی انتہاؤں کو چھونے لگتی اور بعض دفعہ تقریظ اصل کتاب سے بڑھ جاتی۔

میرے حقیقی نانا جان حضرت قاضی عمر الدین ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسلمانوں کے قدیم قبرستانوں کی تعظیم وتکریم اوران میں عمارات بنانے کی ممانعت پرایک مختصر سا رسالہ لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بغرض تقریظ پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت کے من کو چند صفحات کا وہ رسالہ اس قدر بھایا کہ اس سے کئی گنا بڑی تقریظ لکھدی، جس کی ابتدا میں انہوں نے نانا جان کے لئے درج ذیل القاب لکھے ''جَامِعُ الْفَضَائِلُ ، قَامِعُ الرَّذَائِلُ ، حَامِی السُّنَنْ ، مَاحِی الْفِتَنْ ''یعنی فضائل کے جامع، گھٹیا خیالات ونظریات کا قلع قمع کرنے والے، سنتوں کے حامی اور فتنوں کو مٹانے والے۔

اس کے بعد ان کا نام لکھا اور نام کے مطابق ومناسب دعائیں دیں

''مولینا مولوی محمد عمر الدین جَعَلَہ' اللہُ کَاِسْمِہٖ عُمَرَ الدِّیْن، وَبِسَعْیِہٖ وَرَعْیِہٖ عَمَرَ الدِّیْنِ ''یعنی اللہ تعالیٰ ان کو نام کی مناسبت سے دین کی حیات بنائے اوران کی کوشش اور نگہبانی سے دین کو آباد رکھے۔

پھر فرمایا---" ان کا جواب، ناہج مناہج صواب ( صحیح اور درست راہوں کو واضح کرنے والا ) کافی ووافی ہے، مگر بحکم المامور معذور (جس کو حکم دیا جائے وہ تعمیل پر مجبور ہوتا ہے ) بنظر تکثیر افاضہ (فائدہ بڑھانے کے لئے ) دو وصل کا اضافہ منظور۔" [تقریظ نمبر ۱۳]

اس کے بعد جو لکھنا شروع کیا تو لکھتے ہی چلے گئے اور ۳۶ صفحات پر مشتمل تقریظ لکھ دی حالانکہ اصل رسالہ کے صفحات صرف ۱۰ تھے۔(۱)

تقاریظ کی تاریخ میں یہ ایک انوکھی تقریظ ہے جو اصل تصنیف سے زائد ہے اور یہ اعزاز صرف میرے نانا جان کو حاصل ہے کہ ان کے لئے اعلیٰ حضرت نے اتنی طویل تقریظ قلمبند فرمائی---زہے نصیب۔

❁❁❁

اس انفرادی تقریظ کے علاوہ باقی تقاریظ نسبتاً مختصر ہیں مگر انتہائی جامع، دلائل سے لبریز اور دلوں کو چھو لینے والی۔

مثلاً محافل میلاد کا استحباب ثابت کرنے کے لئے اعلیٰ حضرت نے پہلے تین آیات ذکر کی ہیں

۱---قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا

۲--- وَ ذَکِّرْهُمْ بِاَیَامِ اللّٰهِ

۳---وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ۝

---

(۱) لاہور سے رضا فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام چھپنے والے فتاویٰ رضویہ کی نویں جلد میں نانا جان کا یہ رسالہ مع تقریظ اعلیٰ حضرت چھپا ہوا ہے۔ صفحات کی یہ تعداد اس کے مطابق لکھی گئی ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد رقمطراز ہیں:-

''پہلی تین آیتوں میں (اللہ تعالیٰ) حکم فرماتا ہے کہ

۱---اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر (خوشیاں) اور شادیاں مناؤ!

۲---لوگوں کو اللہ کے دن یاد دلاؤ!

۳---اللہ کی نعمت کا خوب چرچا کرو!

اللہ کا کونسا فضل و رحمت، کونسی نعمت اس حبیب کریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم کی ولادت سے زائد ہے---!؟ کہ تمام نعمتیں، تمام رحمتیں، تمام برکتیں اسی کے صدقے میں عطا ہوئیں۔

اللہ کا کونسا دن اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور پرنور کے دن سے بڑا ہے---!؟

تو بلاشبہ (اللہ تعالیٰ) قرآن کریم میں حکم دیتا ہے کہ ولادت اقدس پر خوشی کرو، مسلمانوں کے سامنے اس کا چرچا خوب زور شور سے کرو---اسی کا نام مجلس میلاد ہے۔''

[تقریظ نمبر ۱۸]

اللہ اللہ، کیسا اچھوتا اور پیارا انداز ہے---!! دل لبھانے والا اور من موہ لینے والا۔

❁❁❁

آجکل ہر کس و ناکس قرآن کریم پر طبع آزمائی شروع کر دیتا ہے اور آیات قرآنیہ کے من مانے مطالب بیان کرنے لگتا ہے۔ بعض کم فہم تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ قرآن نازل ہی عرب کے ان پڑھ لوگوں کی ہدایت کے لئے ہوا تھا، اس لئے اس کا سمجھنا بہت آسان ہے۔ اعلیٰ حضرت کہتے ہیں کہ یہ نقطۂ نظر سر بسر غلط اور ناقابلِ تسلیم ہے کیونکہ خود صحابہ کرامؓ جو اہل زبان تھے، بعض آیات کے مفاہیم کو صحیح طور پر نہیں سمجھ پاتے تھے جب تک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

وضاحت نہیں فرمادیتے تھے۔

لیجئے، یہ چشم کشا اقتباس پڑھئے اور دیدہ ودل کو منور کیجئے!

جولوگ قرآن کو بہت آسان سمجھتے ہیں، ان کو مخاطب کرکے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:-

''اے عزیزو، تم کیا اور تمہاری بساط کتنی---! بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً کے معنی پانی حقیقتاً نہ پانا سمجھ کر ایک زخمی کو تیمّم کی اجازت نہ دی۔ وہ نہایا اور انتقال فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، ارشاد فرمایا

''قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللهُ، اَلَّا سَأَلُوْا اِذَالَمْ يَعْلَمُوْا---؟ فَاِنَّ شِفَاءَ الْعِيِّ السُّؤَال''

(انہوں نے اسے قتل کر ڈالا، اللہ انہیں قتل کرے، کیوں نہ پوچھا جب نہ جانتے تھے---؟ کہ (درماندگی اور) تھکنے کی دوا تو پوچھنا ہی ہے) رواہ ابو داؤد عن جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما (۱)

---

(۱) قرآن کریم نے تیمّم کی اجازت اس صورت میں دی ہے کہ پانی دستیاب نہ ہو--- فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً. زخمی شخص نے جن صحابہ کرامؓ سے مسئلہ پوچھا تھا انہوں نے یہی خیال کیا کہ تیمّم پانی نہ پانے سے مشروط ہے اور سائل زخمی ضرور ہے لیکن پانی اس کو بہرحال دستیاب ہے اس لئے وہ تیمّم نہیں کرسکتا، مگر ان کا یہ اجتہاد صحیح نہیں تھا جس کے نتیجے میں ایک آدمی جان سے گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

دراصل پانی نہ پانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ درحقیقت پانی دستیاب نہ ہو۔ دوسری یہ کہ حکماً پانی میسر نہ ہو، یعنی آدمی بیمار یا زخمی ہونے کی وجہ سے اس کے استعمال پر قادر نہ ہو۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً. ان دونوں صورتوں کو شامل ہے؛ جبکہ جواب دینے والے صحابہؓ نے اسکو پہلی صورت سے خاص سمجھ لیا تھا۔

اعلیٰ حضرت کے استدلال کا مطلب یہ ہے کہ جن صحابہ کرامؓ سے مسئلہ پوچھا گیا تھا وہ اہل زبان تھے، اسکے باوجود وہ از خود فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً. کا صحیح مفہوم متعین نہ کرسکے، تو پھر ما وشما کس شمار قطار میں ہیں کہ خود سے قرآن فہمی کے دعویدار بن بیٹھیں---!

Marfat.com

العظمة لِلّٰہ! ایک سفیہ جاہل کہے کہ خدا اور رسول کا کلام سمجھنا کچھ مشکل نہیں، نہ اس کے لئے بڑا علم چاہئے کہ قرآن تو ان پڑھوں کو سمجھانے کے لئے اترا ہے۔

اے غافلو! اگر یہی مانتے ہو تو کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سیّدنا عبداللہ ابن عباس وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے تعلیم کتاب کی دعا مانگنا کما رواہ البخاری والامام احمد محض عبث واستحصالِ حاصل وشبیہ بالہزل (یعنی ایک قسم کا مذاق) تھا---؟ نہیں، نہیں۔ (لازماً اور) جبراً ماننا پڑے گا کہ بے شک خدا اور رسول کا کلام سمجھنا سخت دشوار ہے اور بے شک اسکے لئے علمِ غزیر وسامان کثیر درکار ہے۔

لہٰذا حضرت حق تعالیٰ وتقدّس کی رحمت عامہ ورأفت تامہ نے کہ اس امت مرحومہ کے حال پر روز ازل سے بنہایت وفور (بہت کثرت سے) متوجہ ہے--- ان اکابرین وعمائد یقین کو توفیق بخشی کہ شریعت مطہرہ کی ہر گنجلک کو بیان اور ہر مشکل کو آسان کر دیا۔'' [تقریظ نمبر۲۲]

اعلیٰ حضرت نے جس طرح احادیث صحیحہ سے اپنے مؤقف کو مدلل وثابت کیا ہے اسکے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ قرآن ایک آسان کتاب ہے اور اسے سمجھنے کے لئے کسی تفسیر و تشریح کی ضرورت نہیں ہے، تو ایسے شخص کو ذہنی طور پر معذور ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

✿✿✿

قرآنی علوم پر کامل عبور کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت کو علم حدیث پر ایسی دسترس حاصل تھی کہ آدمی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

نانا جان ہی کی ایک کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے ذکر جہر کی فضیلت و استحباب پر چند احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ یہ تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ فضائل ذکر کے موضوع پر لکھی ہوئی کسی بھی کتاب سے ایسی حدیثیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ حیرت اس وقت ہوتی ہے

جب آدمی دیکھتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو ہر حدیث کے بارے میں یہاں تک پتہ ہوتا ہے کہ

(۱) اسکو کس کس محدث نے روایت کیا ہے؟

(۲) اگر کسی محدث کی کئی تصنیفات ہوں تو یہ حدیث اسکی کونسی کتاب میں کس کس سند کے ساتھ پائی جاتی ہے؟

(۳) اگر حدیث کی متعدد سندیں ہوں تو کونسی سند محدثین کی اصطلاح کے مطابق ''صحیح'' ہے، کونسی ''جید'' ہے اور کونسی ''حسن'' ہے؟

(۴) یہ سندیں صحابہ کرام میں سے کس کس صحابی تک پہنچتی ہیں؟

(۵) حدیث کے الفاظ تمام سندوں میں ایک جیسے ہیں یا کسی سند میں الفاظ قدرے مختلف ہیں؟

ہر حدیث کے متعلق ان تمام امور کا ادراک واستحضار اعلیٰ حضرت کو عظیم ترین محدثین کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے اور وہ اس پہلو سے علامہ سیوطیؒ وعلامہ سبکیؒ جیسے ائمہ حدیث کے ہمسر نظر آتے ہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ.

ہم صرف ایک حدیث کی تخریجات مع ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ پڑھئے اور علم حدیث میں ان کی بے مثل مہارت اور غیر معمولی رسائی کی داد دیجئے ---!

''حدیث قدسی --- وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَإٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَإٍ خَیْرٍ مِّنْہُ.

رواہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ---عن ابی ہریرۃ.

واحمد --- عن انس بسند صحیح.

والطبرانی فی الکبیر والبزار فی المسند با سناد جید والبیہقی فی

Marfat.com

الشعب---کلهم عن ابن عباس.

والطبرانی فیه بسند حسن---عن معاذ ابن انس رضی اللہ تعالیٰ عنهم. ولفظ هذا---لَایَذْکُرُنِیْ فِیْ مَلَاءٍ اِلَّا ذَکَرْتُه' فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلیٰ."

[تقریظ نمبر ۱]

(حدیث قدسی (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اگر (میرا بندہ) مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسکو اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔

---اس حدیث کو روایت کیا ہے---

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

اور امام احمد نے انس رضی اللہ عنہ سے ''سند صحیح'' کے ساتھ۔

اور طبرانی نے کبیر میں اور بزار نے مسند میں ''سند جید'' کے ساتھ اور بیہقی نے شعب میں---یہ سب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔

اور طبرانی نے کبیر میں ''سندِ حسن'' کے ساتھ معاذ ابن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ اس آخری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں---لَایَذْکُرُنِیْ فِیْ مَلَاءٍ اِلَّا ذَکَرْتُه' فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلیٰ.)

ملاحظہ فرمایا آپ نے، کہ اعلیٰ حضرت نے ایک حدیث کے لئے دس حوالے پیش کئے ہیں اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ کس محدث نے، اپنی کونسی کتاب میں، کس قسم کی سند کے ساتھ، کن الفاظ میں، کس صحابی سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

ہے کوئی انتہا اس فہم وادراک کی اور علم واستحضار کی---!!

Marfat.com

بہت سے لوگ بحیثیت مفتی مشہور ہو جاتے ہیں اور ان کے مداح انہیں مفتی اعظم اور مفتی ملت وغیرہ کے القاب عطا کر دیتے ہیں مگر جب ان کے کردار کا جائزہ لیا جاتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ سادہ لوح عقیدت مندوں نے کس قماش کے آدمی کو مفتی مان لیا ہے حالانکہ فتوی دینے کے لئے ضروری ہے کہ فتوی دینے والا وسیع علمیت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ کردار کا بھی مالک ہو اور اس کا عقیدہ بھی صحیح ہو۔ بے عمل اور بدعقیدہ مفتی تو خود گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے، دوسروں کی کیا رہنمائی کرے گا---!

اعلیٰ حضرت کے زمانے میں ایسا ہی ایک مفتی تھا جو فتوی دینے میں نہایت بے باک و مشاق تھا مگر اس کا اپنا کردار یہ تھا کہ اس نے مسجد کا کچھ حصہ غیر مسلموں کو کرائے پر دے رکھا تھا اور یوں وہ اللہ کے گھر کی توہین کا مرتکب ہو رہا تھا۔ اسکی اچھی طرح خبر لیتے ہوئے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں

''فی الواقع مساجد کو توہین پر پیش کرنے والا، انہیں کرائے پر دینے والا، خصوصًا کفار کو ان میں بسا کر اہانتیں کرنے والا، انہیں اور اسلامی مدارس کو ویران کرنے والا سخت فاجر، فاسق، مرتکب کبائر، مستحق عذاب نار و غضب جبار ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ. ایسا (شخص) نہ قاضی کیا جائے، نہ مفتی۔ نہ اس کے فتوے پر عمل جائز، نہ اسکی تشہیر پر افطار یا عید حلال؛ بلکہ اسکی صحبت سے مسلمانوں کو اجتناب لازم، کہ اسکی آگ ان کو بھی نہ جلا دے۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ امرِ ہلال و احکام حرام و حلال کسی عالم سنی، صحیح العقیدہ، فقیہ، متدین کے سپرد کریں۔'' [تقریظ نمبر ۵]

سبحان اللہ! کیا ہی اعلیٰ اور عمدہ معیار بتایا ہے اعلیٰ حضرت نے قابل اعتماد مفتی کا---!

مسلمانوں کو چاہئے کہ فتوی حاصل کرنے سے پہلے دیکھ لیا کریں کہ جس شخص کے پاس استفتاء روانہ کر رہے ہیں کیا وہ صحیح العقیدہ سنی ہے؟ کیا وہ فقیہ، یعنی فقہ کا ماہر ہے؟ کیا وہ متدین،

یعنی دیندار ہے؟ اگر ایسا ہے تو اسکے فتوی پر بلاشک وشبہ اعتماد کیا جا سکتا ہے، ورنہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ اس سے فتوی پوچھا جائے۔

آج کل بہت سے عرسوں میں گانا بجانا، ڈھول ڈھمکا اور رقص وسرود وغیرہ ہوتا ہے۔ بے شک یہ سب کام حرام ہیں مگر اُن کی آڑ میں ان اعراس کو بھی ناجائز قرار دے دیا جاتا ہے جو ان منکرات ومحرمات سے خالی ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت اس طریق کار کو درست نہیں سمجھتے اور فرماتے ہیں

"فی الواقع عرسِ اولیاء کرام، کہ منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو، جائز و مستحسن ہے اور رقص، فواحش ومزامیر محرمہ کا خلط---جس طرح جہال میں شائع ہے---قبیح و مستہجن (ناپسندیدہ ہے) اِس پر اصرار فسق وجہالت، اور اُس کا انکار وہابیہ کی ضلالت۔ افراط، تفریط خطا وجہل ہے، اور صراط مستقیم وسط وعدل ہے۔ [تقریظ نمبر ۲۶]

کاش! کہ جملہ مکاتب فکر کے وابستگان اس نکتے کو سمجھ جائیں اور افراط وتفریط (کمی بیشی) سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ○

قارئینِ کرام! اردو تقاریظ کا مختصر سا جائزہ ختم ہوا۔ اب عربی تقریظات پر ایک نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں اعلیٰ حضرت نے کیسے دلکش پھول کھلائے ہیں اور کتنے تابناک ستارے سجائے ہیں۔

قارئین کرام! یوں تو اعلیٰ حضرت کی ہر تقریظ میں کافی حد تک عربی عبارات کی آمیزش ہوتی ہے مگر آپ کے ہاتھوں میں تقاریظ کی جو کتاب ہے اس میں اعلیٰ حضرت کی چار ایسی تحریریں شامل ہیں جو صرف فصیح عربی پر مشتمل ہیں مگر ان میں خالص تقریظ صرف ایک ہے، یعنی نمبر ۱۲۔

Marfat.com

باقی تین میں سے نمبر۲۰، تقریظ اور قطعۂ تاریخ کا مجموعہ ہے (۱) اور نمبر ۸ صرف قطعۂ تاریخ ہے؛ جبکہ نمبر۹ نہ تقریظ ہے نہ قطعۂ تاریخ؛ بلکہ اعلیٰ حضرت نے ''المعتقد المنتقد'' پر جو حاشیہ لکھا ہے، اس کا خطبہ ہے لیکن ان تقریظات کے جامع و مرتب جناب صابر حسین شاہ صاحب کے خیال میں یہ خطبہ بھی ''ایک تقریظ سے کم نہیں ہے۔'' اس بنا پر انہوں نے اس کو تقاریظ میں شامل کر دیا ہے، مگر میرے خیال میں اعلیٰ حضرت کے عربی خطبات ایک علیحدہ موضوع ہے اور آپ کے ارشاد فرمودہ قطعات ایک جداگانہ سلسلہ ہے اور ان پر بھی اہل علم کو مستقل کام کرنا چاہئے۔

بہرحال ہم تقریظ نمبر۱۲، اور ۲۰ پر گفتگو کر رہے ہیں---واللہ الموفق.

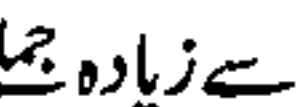

جس طرح منظوم کلام میں اشعار کے آخری حروف یکساں ہوتے ہیں، یونہی بعض دفعہ نثر میں دو یا اس سے زیادہ جملے اس طرح بولے جاتے ہیں کہ ان کے آخری حروف ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اسکو اصطلاح میں سجع کہا جاتا ہے اور جو تقریر یا تحریر ایسے جملوں پر مشتمل ہو اسکو مسجّع کہتے ہیں۔ مثلاً ہم اردو میں یوں کہیں

''قرآن اللہ کی کتاب ہے، بے مثال و لاجواب ہے، جو اس پر ایمان لائے وہ کامیاب ہے، اور اسکے لئے اجر بے حساب ہے، اور جو اسکا انکار کرے وہ مستحقِ عذاب ہے، اور اسکا انجام نہایت خراب ہے۔''

اس عبارت میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ تمام جملوں کے آخر میں کتاب ہے، جواب

---

(۱) واضح رہے کہ قطعۂ تاریخ کے لئے منظوم ہونا اور مادۂ تاریخ پر مشتمل ہونا ضروری ہے؛ جبکہ تقریظ میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔

Marfat.com

ہے وغیرہ جیسے الفاظ آ رہے ہیں جو ایک ہی قافیے کے ہیں، لہٰذا یہ ایک مسجع کلام ہے۔

کسی بھی زبان میں سجع کا اہتمام وہی شخص کر سکتا ہے جسکو اس زبان پر مکمل عبور ہو اور ذخیرہ الفاظ بہت زیادہ ہو۔ اعلیٰ حضرت کو عربی، فارسی اور اردو میں مکمل مہارت تھی اس لئے وہ ان تینوں زبانوں میں مسجع عبارات لکھنے پر قدرت رکھتے تھے۔

معیاری سجع وہ ہوتا ہے جس میں تکلف نہ ہو، یعنی یہ محسوس نہ ہو کہ فلاں لفظ محض سجع برابر کرنے کے لئے گھسیڑ دیا گیا ہے؛ بلکہ یوں لگے کہ یہ جملے از خود ایک ترتیب سے سج گئے ہیں اور ایک دوسرے سے یوں ہم آہنگ ہو گئے ہیں کہ حسن کلام کو چار چاند لگ گئے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کو عربی سجع پر نا قابل یقین حد تک دسترس حاصل تھی۔ اسی لئے ان کی کتابوں کے ابتدائی خطبے سب کے سب مسجع ہیں، حالانکہ ان میں سے بعض خاصے طویل ہیں۔ خطبوں کے بارے میں تو پھر بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک روایت ہے اور دیگر مصنفین بھی اپنی کتابوں میں ایسے ہی خطبے لکھتے چلے آئے ہیں؛ تاہم اعلیٰ حضرت کی انفرادیت یہ ہے کہ ان کو سجع کے لئے کوئی خصوصی اہتمام نہیں کرنا پڑتا تھا۔ وہ تو بعض دفعہ خط بھی سارے کا سارا مسجع لکھ دیتے تھے حالانکہ خطوط میں سجع بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔

مدرسہ عالیہ رامپور کے پرنسپل ایک عرب تھے جن کا نام طیب تھا۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کو اپنے سوالات پر مشتمل چند خطوط عربی میں لکھے اور اعلیٰ حضرت نے ان کے جوابات بھی عربی ہی میں دیئے۔ (۱) ان میں اعلیٰ حضرت کے بعض جوابات فل سکیپ کے کئی صفحات پر محیط

---

(۱) رضا فاؤنڈیشن لاہور کے زیر اہتمام چھپنے والے فتاوی رضویہ کی ستائیسویں جلد میں ایک رسالہ ہے ''اطائب الصیّب'' اس میں طیب صاحب کے خطوط اور اعلیٰ حضرت کے جوابی مکاتیب مع ترجمہ یکجا کر دیئے گئے ہیں۔

ہیں اور لطف یہ ہے کہ وہ از اول تا آخر مسجع ہیں اور ان میں اتنی روانی ہے کہ کہیں یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ان میں سجع کو ملحوظ رکھا گیا ہے---جب تک آدمی خاص طور پر اس پہلو سے ان پر غور نہ کرے۔ جبکہ طیب عرب صاحب جن کی زبان ہی عربی تھی، ایک خط بھی اعلیٰ حضرت کے معیار کا نہ لکھ سکے--- وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَشَاءُ.

تقریظ نمبر ۱۲ اور ۲۰ بھی مکمل طور پر مسجع ہیں۔ چند جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے!

آل نجد نے جب ارض حجاز پر ظالمانہ تسلط جمایا تو انہوں نے کیا کیا ''کارنامے'' انجام دیئے؟ اعلیٰ حضرت کی زبانی سنیئے!

فَالدِّمَاءَ سَفَکُوْا ☆ وَالْاَمْوَالَ مَلَکُوْا ☆ وَالْمُؤْمِنِیْنَ فَتَکُوْا ☆ وَالْحُرُمَاتِ هَتَکُوْا ☆ فَظَنُّوْا اَنْ اَهْلَکُوْا ☆ وَمَا هُمْ اَهْلَکُوْا وَلٰکِنْ هَلَکُوْا ☆ وَعَمَّا قَلِیْلٍ یَرَوْنَ مَا سَلَکُوْا ☆ [تقریظ نمبر ۱۲]

کوئی عربی جاننے والا ہو تو داد دے موتیوں کی اس مرصع لڑی کی---!

مفہوم یہ ہے کہ آل نجد نے لوگوں کے خون بہائے، ان کے اموال پر قبضے کئے، مومنوں کو دھوکے سے قتل کیا اور ان کی عزتوں کی ہتک اور توہین کی۔ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے دوسروں کو ہلاک کیا حالانکہ وہ ہلاک نہیں ہوئے (بلکہ رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے ہیں) درحقیقت یہ خود ہلاک ہوئے ہیں اور تھوڑے ہی عرصے بعد (جب یہ اللہ کے روبرو پیش ہوں گے) تو ان حرکتوں کا انجام دیکھ لیں گے۔

سجع کا ایک اور انداز ملاحظہ فرمایئے! سراج العوارف نامی کتابِ مستطاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

کِتَابٌ بَاهِرٌ ☆ اَمْ صَوَابٌ زَاهِرٌ ☆ اَمْ عُبَابٌ زَاخِرٌ ☆ بَلْ سَحَابٌ

Marfat.com

مَاطِر☆ بَلَ فَوْقَ مَا تَكْتَنِهُهُ الْاَوْهَامُ وَالْخَوَاطِر ☆ فَقَدْ حَلَّ مَحَلَّ الْبَدْرِفِیْ ظُلَمِ الدَّیَاجِر ☆ وَوَقَعَ مَوْقَعَ الْقَطْرِ فِیْ ظَمَاِ الْهَوَاجِر ☆ [تقریظ نمبر۲۰]

(واضح کتاب ہے، یا چمکتا ہوا حق ہے، یا بحر ذخار ہے؛ بلکہ برسنے والا بادل ہے؛ بلکہ بالاتر ہے ہر اس چیز سے جسکی حقیقت عقول وافکار جان سکیں۔ یہ تو اس ماہ کامل کی مانند ہے جو تاریک ترین اندھیروں میں روشنی بکھیر رہا ہو اور بارش کے ان چھینٹوں کی طرح ہے جو گرم دوپہروں میں پیاس بجھا رہے ہوں)

اس تقریظ کے آخر میں اعلیٰ حضرت نے جو قطعۂ تاریخ کہا ہے وہ بھی لفظی ومعنوی حسن کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔

کتاب کا نام ''سراج العوارف'' تھا اور مصنف علام کا لقب ''نوری''۔ ''سراج'' اور ''نوری'' کے امتزاج سے اعلیٰ حضرت نے جو تخیل پیش کیا ہے وہ بے حد نفیس ولطیف ہے۔

''سراج'' چراغ کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ''شمس'' یعنی سورج کو بھی سراج کہا ہے---وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا.

عام چراغ رات کو روشن ہوتے ہیں؛ جبکہ سراجِ شمس دن میں چمکتا ہے۔

ان دو باتوں کو ذہن میں رکھئے اور پھر یہ دو شعر گنگنائیے جن میں سراج العوارف کے مصنف عالی مقام جناب نوری صاحب کو مخاطب کر کے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

وَ لَا غَرْوَ اَنْ جَاءَ مِنْکَ سِرَاجٌ  فَاِنَّکَ نُوْرِیُّ نَادِیُ الْمَعَارِفْ

اَرَانَا سِرَاجُکَ بِاللَّیْلِ شَمْسًا  وَ شَمْسٌ بِلَیْلِ عَجِیْبٌ وَ طَارِفْ

(یہ تو کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آپ ایک سراج لائے ہیں کیونکہ آپ تو ہیں ہی علوم معارف کی محفل کے نوری، یعنی روشن کرنے والے (مگر آپ کا یہ سراج عام سراج تو نہیں؛ بلکہ

Marfat.com

شمس ہے جو گمراہی وضلالت کی تاریک رات میں چمک رہا ہے۔اسطرح) آپ کے سراج نے ہمیں رات کو سورج دکھادیا ہے اور رات میں سورج کا دکھائی دینا یقیناً عجیب اور جدید نظارا ہے)

کیا زورِ کلام ہے، کیا حسنِ بیان ہے اور کیا ہی خوب معنی آفرینی ہے---!!! فَجَزَی اللہ الرِّضَا خَیْرَ الْجَزَاء.

❁❁❁

قارئینِ کرام! ملاحظہ فرمائے آپ نے اعلیٰ حضرت کی شہکار تقریظات سے چند دلکشا و دلربا اقتباسات---! آج تک آپ نے دیگر اہل علم کی لکھی ہوئی جتنی بھی تقریظیں پڑھی ہیں ان کا تقاریظ رضا سے موازنہ کیجئے، معادلہ کیجئے اور پھر بتائیے کہ ایسی تقریظات کس نے لکھی ہیں اور کون لکھ سکے گا---! بقول طارق سلطان پوری

جو لکھا اس عبقری نے اور جس موضوع پر　　عالمِ تحقیق و دانش میں ہے شاذ اسکی نظیر
فیضِ عشقِ مصطفیٰ سے مرحمت اسکو ہوئی　　تابشِ فکر و عمل، تابانی ذہن و ضمیر

اور تابانیٔ ذہن وضمیر سے آراستہ ایسی عالی شان اور بے عدیل تقریظات لکھنے والے عبقری کے انکسار و تواضع کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے آپ کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی ان سے تقریظ لکھنے کا مطالبہ کرے، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں

"فقیر حقیر کیا اس قابل ہے کہ کسی کتاب پر اس سے تقریظ چاہیں---!؟[تقریظ نمبر۱۱]

اللہ اللہ! سچ ہے---من تواضع للہ رفعه الله (جو اللہ کی رضا کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسکو رفعت عطا فرمادیتا ہے) اور اعلیٰ حضرت کو جو رفعتیں عطا ہوئیں ہیں ان میں کسی کو کیا کلام ہوسکتا ہے---!

عالمانِ نام آور اسکی عظمت کے مُقِر　　معترف اسکی جلالت کے فقیہانِ کبیر

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کی تعلیمات سے فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

❁❁❁

بے شک معیاری تقریظ لکھنا ایک مشکل کام ہے لیکن کسی مصنف کی تقریظات کو جمع کرنا کیا کوئی آسان عمل ہے؟ اور وہ بھی اعلیٰ حضرت جیسی مقتدا اور ہمہ ہستی کی تقاریظ---!! یہ معلوم کرنا تو نسبتاً آسان ہے کہ اعلیٰ حضرت نے کون کونسی کتابیں لکھی ہیں کیونکہ اس موضوع پر کافی کام ہو چکا ہے لیکن یہ جاننا کہ آپ نے کن کن کتابوں پر تقریظیں لکھی ہیں بے حد دشوار ہے۔ ظاہر ہے کہ اعلیٰ حضرت کے پاس بے شمار کتابیں برائے تقریظ آتی تھیں۔اب یہ کیسے پتہ چلے کہ کن کن مصنفین نے آپ کے پاس کتابیں بھیجی تھیں اور ان میں سے کس پر آپ نے تقریظ لکھی تھی اور کس پر نہیں؟

اس بے حد مشکل کام کا بیڑا اُٹھایا جناب سیّد صابر حسین شاہ صاحب بخاری نے اور شبانہ روز محنت کر کے اہل ذوق کے لئے اعلیٰ حضرت کی تیس تقریظیں ڈھونڈھ لائے ہیں۔

پیکر اخلاص صابر نے انہیں یکجا کیا　　سخت محنت سے کیا آسان یہ کارِ عسیر

اس کے لئے انہوں نے نہ جانے کتنے کتب خانوں کو کھنگالا ہوگا اور کتنی کتابوں کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیا ہوگا---! ایسا بے مثال مگر دشوار علمی کام شاہ صاحب جیسا انتھک اور محنتی انسان ہی کر سکتا ہے، میرے جیسا کاہل تو اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

اب یہ اہل علم قارئین کی ذمہ داری ہے کہ شاہ صاحب کی اس محنت شاقہ کی کما حقہ قدر کریں اور شیدائیان اعلیٰ حضرت تک اس کتاب کو پہنچانے کی سعی بلیغ کریں۔

و صلی اللہ علی سیّدنا و مولینا محمد و علی آلہٖ واصحابہ اجمعین.

Marfat.com

# حدیث ردِ شمس اور ملا علی قاریؒ

جام عرفاں میں میری ایک تقریر چھپی تھی جس میں حضرت علیؓ کے لئے سورج لوٹائے جانے کا ذکر تھا۔ اس پر معروف فاضل جناب وارث سرہندی صاحب (جو، اب مرحوم ہو چکے ہیں۔) نے راقم کے نام اپنے ایک خط میں لکھا کہ یہ حدیث موضوع ہے اور ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں اس کو من گھڑت ثابت کیا ہے۔ میں نے اپنی بساط کے مطابق ان کو جو جواب دیا۔ فاضل موصوف کو وہ بہت پسند آیا اور انہوں نے لکھا۔

''اس حدیث کی صحت کے متعلق جو تردد تھا وہ دور ہو گیا---اس سلسلہ میں آپ کی رہنمائی کے لئے ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں۔''

بہت سے علمی نکات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قارئین کی خدمت میں وہ جوابی خط پیش کیا جا رہا ہے۔ اس خط میں جن سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ خط کے مطالعہ سے خود ہی واضح ہو جاتے ہیں، اس لئے سوالات شامل اشاعت نہیں کئے گئے۔ واضح رہے کہ سرہندی صاحب نے چونکہ صرف ملا علی قاریؒ کے حوالے سے بات کی تھی، اس لئے میں نے بھی اپنی گفتگو کو ملا علی قاریؒ تک ہی محدود رکھا ہے۔ (دائم)

**مکرمی!**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عالمانہ مکتوب گرامی ملا۔ اصل حقیقت تک پہنچنے کے لئے آپ کی بے قراری و

Marfat.com

بیتابی سے دل مسرور ہوا۔ چند سطور تحریر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں نافع بنائے اور آپ کی تشفی وطمانیت کا سبب بنائے۔

مکرمی! جہاں تک ردِ شمس کے امکان کا تعلق ہے تو وہ خارج از بحث ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے۔ چاہے تو نبی ﷺ کی دعا سے لوٹا دے، چاہے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی دعا سے لوٹا دے، چاہے تو کسی عام آدمی کی دعا سے لوٹا دے، چاہے تو بغیر کسی کی دعا کے لوٹا دے اور چاہے تو ساری دنیا دعائیں کرتی رہے، تب بھی نہ لوٹائے، مَالِکُ الْمُلْکِ ہے۔ یَفْعَلُ مَایَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَایُرِیْدُ.

اس لئے جن لوگوں نے اس حدیث کا اثبات کیا ہے، انہوں نے امکان کا اثبات نہیں کیا، بلکہ وقوع کا اثبات کیا ہے اور جنہوں نے نفی کی ہے، انہوں نے بھی وقوع ہی کی نفی کی ہے۔ چونکہ یہ دونوں باتیں متعارض تھیں اس لئے ملا علی قاری نے کوشش کی ہے کہ یہ تعارض رفع ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک ایسی توجیہہ نکالی کہ اثبات اور نفی دونوں درست ہو جائیں۔ چنانچہ حدیث ''اِنَّ الشَّمْسَ'' کے تحت لکھتے ہیں۔

''یہ حدیث کہ سورج حضرت علیؓ کے لئے لوٹ آیا، اس کے بارے میں امام احمد نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور ابن جوزی نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ موضوع ہے۔ لیکن سیوطی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن مندہ، ابن شاہین ابن مردویہ نے سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور طحاوی اور قاضی عیاض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔''

اس کے بعد ملا علی قاری نے محاکمہ کرتے ہوئے کہا۔

اَقُوْلُ: وَلَعَلَّ الْمَنْفِیَّ رَدُّھَا بِاَمْرِ عَلِیٍّ وَالْمُثْبَتَ بِدُعَآءِ النَّبِیِّ ﷺ (موضوعاتِ کبیر ص ۲۴)

یعنی میں یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے ردِ شمس کی نفی کی ہے، انہوں نے شاید حضرت علیؓ کے حکم

Marfat.com

پر لوٹنے کی نفی کی ہے اور جنہوں نے اس کو ثابت کیا ہے، انہوں نے رسول ﷺ کی دعا سے لوٹنا ثابت کیا ہے۔

گویا ملا علی قاری کے نزدیک جس حدیث کو امام احمد اور ابن جوزی بے اصل اور موضوع کہہ رہے ہیں وہ دوسری حدیث ہے، جس میں حضرت علیؓ کے حکم سے سورج لوٹنے کا ذکر ہے، نہ کہ وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ کی دعا سے لوٹنے کا تذکرہ ہے۔ اس طرح محدثین کے متعارض اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ یعنی۔

(۱)---اِثْبَاتُ رَدِّالشَّمْسِ بِدُعَاءِ النَّبِیِّ ﷺ۔

(۲)---نَفْیُ رَدِّالشَّمْسِ بِاَمْرِ عَلِیٍّ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ الْکَرِیْمَ.

اس سے واضح ہے کہ ملا علی قاری کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی دعا سے ردشمس بہر حال ثابت ہے اور نا قابلِ انکار ہے۔ حضرت علیؓ کے حکم سے لوٹنے کا البتہ انکار کیا جا سکتا ہے اور امام احمد و ابن جوزی کا انکار اسی پر محمول کیا جائے گا۔

واضح رہے کہ ملا علی قاری نے اس حدیث کو موضوعات کبیر میں تین مقامات پر ذکر کیا ہے۔

(۱) حرف الہمزہ (الف)---حدیث اِنَّ الشَّمْسَ رُدَّتْ عَلٰی عَلِیٍّ.

(۲) حرف الراء---حدیث رَدُّ الشَّمْسِ.

(۳) حرف الیاء کے بعد جو فصلیں ہیں، ان میں سے دوسری فصل میں۔

مندرجہ بالا عبارت پہلے مقام کی ہے۔ دوسرے مقام میں ملا علی قاری نے امام احمد اور ابن جوزی کی رائے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"---لیکن اس حدیث کو علامہ طحاوی اور قاضی عیاض نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن مندہ، ابن شاہین اور طبرانی نے معجم کبیر اور اوسط میں اس کو عمدہ اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ."

تیسرے مقام پر اس حدیث کا مکمل متن ذکر کرنے کے بعد، پہلے رِیَاضِ النَّضْرَۃ کی

Marfat.com

عبارت نقل کی ہے کہ علماء نے کہا ہے، یہ حدیث موضوع ہے اور سورج کسی کے لئے بھی نہیں لوٹایا گیا۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے بھی صرف روکا گیا تھا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں---"مگر یہ حدیث شفا میں بروایت طحاوی موجود ہے اور اس کی وجہ میں نے شرح شفاء میں بیان کردی ہے۔"

اور شرح شفاء میں ملا علی قاری نے تقریباً وہی کچھ بیان کیا ہے، جو مقام نمبر۲ میں بیان کر چکے ہیں۔ یعنی یہ حدیث اسنادِ حسن کے ساتھ مروی ہے اور فلاں فلاں محدث نے اس کی تخریج کی ہے۔

غرضیکہ ملا علی قاری کسی طرح بھی اس حدیث کو موضوع ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

رہا یہ سوال کہ پھر انہوں نے اس حدیث کو موضوعاتِ کبیر میں درج ہی کیوں کیا---؟ تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ موضوعاتِ کبیر میں صرف موضوع روایات ہی مذکور نہیں ہیں، بلکہ ایسی صحیح احادیث بھی موجود ہیں جن کو بعض محدثین نے غلطی سے موضوع قرار دے دیا تھا۔ ملا علی قاری ایسی احادیث ذکر کر کے ان محدثین کی غلطی واضح کرتے ہیں--- مثلاً حرف الحاء میں حدیث حُبُّکَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ ط ابوداؤد کی روایت ہے۔ مگر علامہ صغانی نے اس کو موضوع قرار دے دیا۔ ملا علی قاری نے مفصل حوالوں سے واضح کیا کہ صغانی کی رائے صحیح نہیں ہے۔

حرف الحاء ہی میں ایک اور روایت "حذف السلام سنة" کے بارے میں ابن قطان نے کہہ دیا کہ یہ روایت نہ مرفوعاً صحیح ہے، نہ موقوفاً۔ ملا علی قاری نے بتایا کہ یہ روایت تو ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ اور حاکم کے ہاں موجود ہے۔ حاکم اور ترمذی دونوں نے اسے مرفوعاً بیان کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

غرضیکہ ایسی بیسیوں مثالیں ہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ آخر ایک ہی حدیث کے بارے میں یہ اختلاف کیسے واقع ہو جاتا ہے کہ کوئی اسے صحیح قرار دیتا ہے اور کوئی ضعیف و موضوع---؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ایک ہی روایت متعدد

سندوں کے ساتھ مروی ہوتی ہے جن میں بعض صحیح ہوتی ہیں، بعض ضعیف اور بعض موضوع۔

جس محدث کو جس قسم کی سند سے روایت پہنچتی ہے، اسی کے مطابق وہ فیصلہ دے دیتا ہے۔ مگر یہ فیصلہ حرف آخر نہیں ہوتا، جب تک تمام سندوں کا مطالعہ اور پھر موازنہ نہ کرلیا جائے۔ مزید تحقیق کے لئے حرف الہمزہ (الف) سے پہلے جو مختصر سی فصل ہے اس کا بھی مطالعہ کر لیجئے! اس میں ملا علی قاری نے تصریح کی ہے کہ ہوسکتا ہے، کوئی روایت ایک لحاظ سے صحیح ہو اور دوسرے اعتبار سے موضوع۔ کیونکہ یہ فیصلے محدثین ان سندوں کو مدنظر رکھ کر کرتے ہیں جو ان تک پہنچی ہوتی ہیں۔ لِاِحْتِمَالِ اَنْ یَّکُوْنَ صَحِیْحًا مِنْ وَّجْهٍ وَمَوْضُوْعاً مِنْ وَّجْهٍ آخَرَ--- الخ

هٰذَا مَا عِنْدِیْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ط

(اس حدیث پر سایۂ رسول کی بحث میں ضمناً کافی گفتگو ہو چکی ہے، اس کا بھی مطالعہ فرمالیجئے۔)

Marfat.com

# مرثیہ

# سوزِ دل سوز

بروفات ہمشیرہ محترمہ رحمہا اللہ تعالیٰ

از

مبتلائے رنج وغم، قاضی عبدالدائم دائمؔ

کون جانے مجھ پہ کیا گزری ہے آج
روح میری کس قدر تڑپی ہے آج

ایک ہی تو تھی مری پیاری بہن
آہ! وہ بھی چھوڑ کر چل دی ہے آج

جو کبھی ناراض ہوتی ہی نہ تھی
کیوں خفا ہے آج؟ کیوں روٹھی ہے آج

کیا بتاؤں میں تجھے اے ناصحا!
کیسی ہستی موت نے چھینی ہے آج

ٹکڑے ٹکڑے، ریزے ریزے دل ہوا
چوٹ ہی اس پر لگی ایسی ہے آج

جس سے گلشن مہکا رہتا تھا سدا
وہ کلی تقدیر نے نوچی ہے آج

ہر طرف، ہر سمت ہے ماتم بپا
غمزدہ ساری فضا لگتی ہے آج

صدمے سے ماؤف ہیں قلب و دماغ
نبض، غم سے ڈوبتی رُکتی ہے آج

کرب و درد و رنج سے خلقِ خدا
آہیں بھرتی، ہچکیاں لیتی ہے آج

بیٹے، بیٹی، بھائی، شوہر، خاندان
سب پہ یک دم ہی گری بجلی ہے آج

حق ہے، سچ ہے، کُلُّ شَیْئٍ هَالِکٌ
اس حقیقت نے کمر توڑی ہے آج

من کو اب بھاتی نہیں کوئی خوشی
دل کی دنیا اس طرح اجڑی ہے آج

وہ پڑھانا، پڑھنا قرآں صبح و شام
یاد اس کی ہر ادا آتی ہے آج

Marfat.com

ہم تو گریاں ہیں یہاں پر اور وہ جنتوں میں شادماں پھرتی ہے آج
پاکباز و صالحہ تھی ، اس لئے روح یوں آرام سے نکلی ہے آج
لاڈ سے حضرتِ معظمؒ نے کہا آ ملی مجھ سے مری منّی (۱) ہے آج
دیکھو حسن خاتمہ کی برکتیں کس مزے سے قبر میں سوئی ہے آج
خادمہ زہراءؓ کی (۲) رب کے فضل سے پاس مخدومہ کے جا پہنچی ہے آج
''اب ہوئی جنت میں داخل بالیقین'' (۳) یہ خبر ہاتف نے مجھ کو دی ہے آج
بیٹوں نے توفیقِ حق سے خوب کی ماں کی خدمت ، ہر زباں کہتی ہے آج

اب نہ پاؤ گے کبھی دائمؔ! اسے
وہ ہمیشہ کے لئے بچھڑی ہے آج

---

(۱) حضرت معظمؒ ہمشیرہ صاحبہ کو پیار سے ''منّی'' کہا کرتے تھے۔

(۲) ہمشیرہ محترمہ کا نام خادمۃ الزہراء تھا، یعنی سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خادمہ۔

(۳) یہ تاریخی مصرعہ ہے، یعنی ابجد کے حساب سے اس کے عدد نکالے جائیں تو ان کا مجموعہ ۱۴۲۵ بنتا ہے جو سن ہجری کے اعتبار سے ہمشیرہ صاحبہ کا سالِ وفات ہے۔

حضرت علامہ مولٰینا مفتی عبدالقیوم ہزاروی مرحوم و مغفور سے وابستہ

# کچھ باتیں۔۔۔چند یادیں

حضرت منصور ابن عمارؒ بہت ہی بزرگ اور کامل انسان تھے۔ان کے وعظ میں ایسی تاثیر تھی کہ مسلم تو مسلم، غیر مسلم بھی ان کا بیان سن کر رو پڑتے تھے اور ان کے لبوں پر بے ساختہ لا الــہ الا اللہ محمد رسول اللہ جاری ہو جاتا تھا۔تقریباً نوے سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔جب انہیں دفن کیا گیا تو ایک صاحب مشاہدہ نے دیکھا کہ ان کے پاس فرشتے آئے اور پوچھا--- مَــنْ رَّبُّکَ ؟ (تیرا رب کون ہے؟) حضرت منصور کو ان کا یہ سوال ناگوار گزرا اور قدرے تلخی سے گویا ہوئے۔

''سنو! میری عمر جب بیس سال تھی تب سے میں نے توحید و رسالت کے بارے میں وعظ کہنا شروع کیا تھا اور مسلسل ستر سال تک یہی کام کرتا رہا، جس کے نتیجے میں ایک دنیا نے ہدایت پائی اور کتنے ہی غیر مسلم دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔اب تم مجھے بتاؤ کہ جس شخص نے پورے ستر سال تک رب کی طرف دعوت دی ہو اور جو لوگ رب کو جانتے ہی نہ تھے ان کو رب کی پہچان کرائی ہو، آج تم اسی سے آ کر یہ پوچھتے ہو کہ تیرا رب کون ہے!؟ کتنے افسوس کی بات ہے---!''

ملائکہ حیران رہ گئے۔بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا گیا---''درست کہتا ہے میرا بندہ منصور، اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو!''

میں صاحب مشاہدہ تو نہیں ہوں لیکن مفتی صاحب نے جس انداز میں زندگی گزاری ہے، اس کے حوالے سے وہ بھی نکیرین سے کہہ سکتے ہیں کہ میری زندگی کا تو ہر لمحہ رب کی عظمتوں کا ڈنکا بجانے کے لئے وقف رہا، میں نے تو اپنی حیات مستعار کا ہر لحظہ لوگوں کے دلوں میں عشق مصطفیٰ ﷺ

Marfat.com

کی شمعیں فروزاں کرنے میں گزار دیا اور میرا تو پورا جیون ہی دین اسلام کی آبیاری اور اس کے فروغ و اشاعت میں بیت گیا، اب تم مجھ ہی سے آ کر یہ سوال کرتے ہو کہ تیرا رب کون ہے، نبی کون ہے اور دین کون سا ہے؟ اللہ کے بندو! ذرا سوچو تو سہی تم کس سے، کیا پوچھنے آ گئے ہو!

مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اگر عالی جناب مفتی عبدالقیوم صاحب نے یہی انداز اختیار کیا تو بارگاہ رب العزت سے ملائکہ کو یہی ندا آئے گی کہ ٹھیک کہتا ہے میرا بندہ عبدالقیوم، اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو!

جناب مفتی صاحب کا مشہور مقولہ ہے--- کام، کام، کام--- مرنے کے بعد آرام۔ اور اپنے اس مقولے پر خود مفتی صاحب مرحوم جس طرح عمل پیرا رہے اس کو ہر وہ شخص بخوبی جانتا ہے جسے ان کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی ہو۔ عزیزم قاضی عابدالدائم عابد جو جامعہ نظامیہ سے فارغ التحصیل ہے، بتاتا ہے کہ بعض دفعہ مفتی صاحب رات بھر سفر کر کے صبح لاہور پہنچتے تھے تو گھر جانے کے بجائے سیدھے مدرسے (جامعہ نظامیہ) چلے آتے تھے اور آتے ہی پڑھانا شروع کر دیتے تھے۔ پھر حسب معمول سارا دن علمی مصروفیات میں گزار کر رات گئے گھر تشریف لے جاتے تھے۔

طویل سفر سے ہر آدمی تھک تو جاتا ہے مگر شب بھر کے سفر کی تھکاوٹ کے باوجود مفتی صاحب مسند تدریس پر محض اس لئے آ بیٹھتے تھے کہ طلباء کا وقت ضائع نہ ہو اور ان کی پڑھائی میں حرج واقع نہ ہو۔ شاید ہی کوئی ایسا استاد ہو جو طلباء پر اس قدر شفیق و مہربان ہو---!

یوں تو مفتی صاحب کی ساری زندگی بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہوئے گذری ہے مگر اہل علم کو ان کے جس کام سے بہت زیادہ فائدہ پہنچا ہے، وہ فتاوٰی رضویہ کی جدید اشاعت و طباعت ہے۔ اس میں مفتی صاحب نے حوالوں کی تخریج کے علاوہ عربی اور فارسی عبارات کے ترجمے کا بھی اہتمام کیا ہے۔ چونکہ اعلیٰ حضرتؒ کی بعض عبارات بلند پایہ علمی مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مشکل اور پیچیدہ تھیں اس لئے ان کا ترجمہ کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ مفتی صاحب نے

ملک بھر سے ایسے اہل علم کو تلاش کیا جو یہ کام کر سکتے تھے اور انہیں اس کار خیر پر آمادہ کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ راقم الحروف کے ساتھ ان کے بہت زیادہ قلبی تعلق و محبت کا سبب بھی یہی بنا۔ فتاوٰی رضویہ کی ابتدائی چند جلدوں کی اشاعت کے بعد آواری ہوٹل لاہور میں ایک نہایت ہی پروقار تعارفی تقریب منعقد ہوئی جس میں ملک بھر کے فضلاء اور دانشوروں نے اپنے بیش قیمت مقالات میں فتاوٰی رضویہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اس موقع پر میں نے بھی فتاوٰی رضویہ کے عربی خطبہ کی فصاحت و بلاغت اور دیگر خصوصیات پر ایک مقالہ پیش کیا جو مفتی صاحب کو اتنا پسند آیا کہ انہوں نے فتاوٰی رضویہ کی آٹھویں جلد کے آغاز میں اس کو شامل کر دیا۔ اس طرح یہ مقالہ بعنوان ''فتاوٰی رضویہ کا خطبہ'' جلد ہشتم، ص ۱۰، پر چھپ گیا۔ اس وقت تک چونکہ ابتدائی جلدیں طبع ہو چکی تھیں اس لئے آٹھویں جلد کے ساتھ اس کو چھاپنا پڑا۔ مگر مفتی صاحب اس سے مطمئن نہیں تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس کو پہلی جلد کے ساتھ ہونا چاہئے تھا تا کہ خطبہ پڑھنے سے پہلے قاری کو خطبے کی خصوصیات و لطائف سے آگاہی ہو جائے اور وہ پوری طرح لطف اندوز ہو سکے۔ وصال سے چند ہفتے قبل یہاں (ہری پور) تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ پہلی جلد کو دوبارہ نسبتاً بہتر ترجمے کے ساتھ چھاپنے کا ارادہ ہے اور اس دفعہ انشاء اللہ وہ مقالہ بھی اس کے ساتھ چھاپیں گے۔ پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئے کہ اعلیٰ حضرتؒ کے بعض رسائل فقہی مسائل پر مشتمل ہیں مگر وہ فتاوٰی رضویہ میں شامل نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کو بھی فتاوٰی کے ساتھ شامل کر دیا جائے لیکن اس جلد کا نام کیا رکھا جائے۔ کیا اسے فتاوٰی رضویہ ہی کی ایک جلد قرار دیا جائے یا کوئی اور صورت اختیار کی جائے؟

میں نے عرض کی کہ فقہ کی بہت سی کتابوں کے تکملے لکھے گئے ہیں، اس لئے میرے خیال میں اضافی رسائل پر مشتمل جلد کو فتاوٰی رضویہ کا حصہ بنانے کے بجائے ''تکملۂ فتاوٰی رضویہ'' کا نام دے دیا جائے۔ اس طرح اس کا علیحدہ تشخص بھی قائم رہے گا اور اصل فتاوٰی کے ساتھ ہم آہنگی بھی ہو جائیگی۔

یہ بات پسند آئی اور فرمایا ---''ٹھیک ہے، اس کو تکملۂ فتاوٰی رضویہ ہی کے عنوان سے

Marfat.com

چھاپیں گے۔"

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے کہ وہ مجھ جیسے ہیچمدان انسان کا اتنا مان بڑھا دیتے تھے کہ نہ صرف مشورہ طلب کرتے تھے بلکہ مان بھی لیتے تھے۔

آہ! کہ ایسی شفیق ومہربان اور ہمدرد وغمگسار ہستی ہمیں اپنی شفقتوں سے محروم کرگئی۔

وہ چلدیئے تو سعدؔ مجھے اس طرح لگا
اک اجنبی کو راستے میں رات ہوگئی

ان سطور کے آغاز میں جس بزرگ ہستی کا واقعہ مذکور ہے، انہی منصور ابن عمارؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی وفات کے بعد کسی اہل دل نے خواب دیکھا کہ حضرت منصور فردوس بریں میں زرنگار ممبر پر بیٹھے وعظ کر رہے ہیں اور نورانیوں کا ایک بڑا اجتماع ہمہ تن گوش ہے۔ تقریر سے فارغ ہوئے تو خواب دیکھنے والے نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا---"حضور! وعظ وتقریر کی ضرورت تو دنیا میں پڑتی ہے تاکہ لوگ برائیوں سے بچیں اور نیکیوں کی طرف راغب ہوں۔ جنت تو دارالجزاء ہے نہ کہ دارالعمل، پھر یہاں آپ کس قسم کا خطاب کر رہے ہیں؟ اور یہ سننے والے کون ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا---"اللہ تعالیٰ نے مجھ پر خصوصی عنایت فرمائی ہے اور کہا ہے کہ منصور! تم دنیا میں جس طرح توحید کی وضاحت کیا کرتے تھے اور حمد وثنا کہا کرتے تھے، وہ انداز مجھے بہت پسند ہے اس لئے جنت میں بھی حمد وثنا کہتے رہو اور توحید بیان کرتے رہو، بہت سی روحانی اور نورانی ہستیاں سننے کے لئے آجایا کریں گی۔"

پھر حیرت ظاہر کرنے والے بزرگ سے کہا---"یہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے، یہ مولائے کریم کی اسی عنایت خاصہ کا مظاہرہ ہے۔"

دائمِ بے نوا کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ سے کیا بعید ہے کہ حضرت مفتی صاحب سے بھی کہہ دیا جائے کہ عبدالقیوم! تم نظامیہ میں بیٹھ کر جس طرح درس دیا کرتے تھے، مجھے تمہارا وہ طریقہ

Marfat.com

بہت اچھا لگتا ہے اس لئے بہشت میں بھی تدریس کرتے رہا کرو! درس میں شامل ہونے کے لئے بہت سے جنتی آ جایا کریں گے۔

اگر ایسا ہو گیا تو مفتی صاحب کے مزے ہی ہو جائیں گے۔ وہ اسی وقت جائیں گے اور خلد میں گھومتے پھرتے نظامیہ کے مرحوم تلامذہ کو اپنے مخصوص پنجابی انداز میں کہیں گے

"او بیٹا! کیوں وقت ضائع کر رَیہ او؟ اَیدھر آؤ، تے بَیہ کے سبق پڑھو!"

پھر وہی نظامیہ جیسا منظر ہوگا، ترمذی شریف یا کوئی اور کتاب کھلی ہوگی اور مفتی صاحب حقائق و معارف کے موتی لٹا رہے ہوں گے---قال اللہ تعالیٰ، وَلَكُمْ فِيهَا مَاتَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ یعنی اہل جنت کو ہر وہ چیز ملے گی جو انہیں پسند ہوگی اور ہم سب جانتے ہیں کہ مفتی صاحب کی سب سے پسندیدہ شے تدریس تھی۔

پتہ نہیں کیا لکھ رہا ہوں اور کیسے تصورات میں کھو گیا ہوں! چھوڑیئے ان خیالی باتوں کو اور آیئے دکھ، درد، صدمے، غم اور حزنِ وملال کی ان کیفیات کی یاد تازہ کریں جو مجھ سمیت ہزاروں پر گزر چکی ہیں۔ یہ چند اشعار ہیں جو اصطلاحی مرثیے کے زمرے میں تو نہیں آتے کیونکہ مرثیے کے بعض لوازمات ان میں نہیں پائے جاتے؛ تاہم رنج والم اور ہجر و فراق کے ان دلدوز لمحات کی عکاسی کسی حد تک ہو گئی ہے۔

چھوڑ کے ہم کو مفتی صاحب چلدیئے یکدم ، اِنَّالِلّٰہ!
لے گئے خوشیاں ساری اور دے گئے انمٹ غم ، اِنَّالِلّٰہ!
ڈھونڈھ رہی ہیں ان کو نگاہیں، گونج رہی ہیں سسکیاں، آہیں
ڈوب رہی ہیں ہجر کے دکھ سے نبضیں پیہم ، اِنَّالِلّٰہ!

Marfat.com

علم کے طالب آج حزیں ہیں اور مدرس بھی غمگیں ہیں
بزم نظامیہ ٹوٹی ، بکھری ، درہم ، برہم ، اِنَّالِلّٰہ!
تدریس کی مسند خالی ہے ، تنظیم کا اللہ والی ہے
درس نظامی کا لہرائے گا اب کون علم ، اِنَّالِلّٰہ!
مشہور ہوئے جو دنیا بھر میں ''مفتی'' اور ''ہزاروی'' سے
چل بسے آہ وہ فخرِ ہزارہ ، مفتی اعظم ، اِنَّالِلّٰہ!
آج ہے سارا جہاں پژمردہ ، پژمردہ ہی کیا ؛ بلکہ مردہ
قول ہے برحق ''مَوْتُ الْعَالِمْ مَوْتُ الْعَالَمْ'' اِنَّالِلّٰہ!
سوگ میں ڈوبے اہل خانہ ، چاروں بیٹے ، پورا گھرانہ
دل ہیں شکستہ ، لب فریادی ، آنکھیں پُرنم ، اِنَّالِلّٰہ!
۱ ۲ ۳ ۴ ۵
قاضی عابد اور شرف بھی ، صدیق ، سعیدی ، تابش بھی
ان کی جدائی سے ہیں اشک فشاں اور بے دم ، اِنَّالِلّٰہ!
آئی ندا ''فردوس میں جلوہ گر و آباد ہیں مفتی صاحب''
۴ ۲ ۴ ۱ ھ
دائم کو یقین ہے لیکن غم نہیں ہوتا کم ، اِنَّالِلّٰہ!

❁❁❁

۱---عزیزم قاضی عابدالدائم عابد ۲---مولینا عبدالحکیم شرف
۳---مولینا محمد صدیق ہزاروی ۴---مولینا عبدالستار سعیدی
۵---مولینا منشا تابش قصوری

❁❁❁

Marfat.com

# فتاوٰی رضویہ کا خطبہ

علم و فضل کا شہ پارہ --- فکر و فن کا مہ پارہ
فصاحت و بلاغت اور براعتِ استہلال کا دمکتا ہُوا شہکار
کتبِ فقہ اور ائمۂ کرام کے ناموں کا مہکتا ہُوا گلزار

سلسبیل و کوثر و تسنیم کی موجِ رواں
کیف آ گیں ، جانفزا تحریر شاہ احمد رضا

۲۷، اکتوبر ۱۹۹۳ء کو لاہور کے آواری ہوٹل میں فتاوٰی رضویہ کی اشاعت جدید کے سلسلے میں ایک عظیم الشان تقریب منعقد ہوئی جس میں مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے بیسیوں ادیبوں اور دانشوروں نے شرکت کی۔ یہ مقالہ اوّلاً اہلِ علم و فضل کی اسی پُر شکوہ محفل میں پڑھا گیا اور وہاں پر موجود تمام علماء و فضلاء نے اسے بہت سراہا اور پسند کیا۔ بعد میں اس کو رضا فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام چھپنے والے فتاوٰی رضویہ کی آٹھویں جلد کے آغاز میں شامل کر دیا گیا۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیمo

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ بِجَلَالِہِ الْمُتَفَرِّدِ
وَصَلٰوتُہٗ دَوْمًا عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ
وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ ھُمْ مَأْوَایَ عِنْدَ شَدَائِدِی
فَاِلَی الْعَظِیْمِ تَوَسُّلِیْ بِکِتَابِہٖ وَ بِاَحْمَدِ

(امام احمد رضا)

ارشادِ ربانی ہے--- وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ. یعنی اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجئے۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا خانؒ اسی فرمانِ خداوندی پر عمل کرتے ہوئے یوں زمزمہ سرا ہوتے ہیں:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم!
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اگرچہ سیاق وسباق کے اعتبار سے یہاں ''سخن'' سے مراد منظوم کلام ہے، لیکن درحقیقت امام احمد رضا کی شاہی ہر نوعِ سخن میں مسلم ہے---خواہ نظم ہو، یا نثر۔

مزید کمال کی بات یہ ہے کہ کلام و بیان پر آپ کی قدرت کسی ایک زبان سے مختص نہیں ہے؛ بلکہ عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں سے جس زبان کو ذریعۂ اظہار بنانا چاہیں، اس کے تمام الفاظ آپ کے بے پایاں حافظے میں مستحضر ہو جاتے ہیں اور ان میں سے آپ جس لفظ کو موقع ومحل کے لحاظ سے موزوں سمجھتے ہیں، اس کو اتنی خوبصورتی اور تناسب سے استعمال میں لاتے ہیں کہ خوش گفتاری کا حق ادا کر دیتے ہیں اور نثر میں بھی نظم کا سماں باندھ دیتے ہیں۔

Marfat.com

مسجّع الفاظ کی ایسی لڑیاں اور مقفّی جملوں کی ایسی مالائیں آپ کے منظوم ومنثور کلام میں اتنی کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ ان کا احاطہ ازبس دشوار ہے؛ تاہم ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز ''فتاوٰی رضویہ'' کا عربی خطبہ ہے جو بلاشبہ فصاحت وبلاغت کا ایک اچھوتا شہکار ہے۔ دلکش اشارات، روشن تلمیحات، خوبصورت استعارات اور خوشنما تشبیہات پر مشتمل اس بلاغت پارے کی خصوصیت یہ ہے کہ خطبے کے جملہ لوازمات ومناسبات---یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد، رسول اللہ ﷺ کی تعریف، صحابہ اور اہل بیت کی مدح، رسول اللہ ﷺ اور ان کے اہلِ بیت پر درود وسلام---یہ تمام چیزیں کتبِ فقہ اور ائمہ کے ناموں سے ادا کی گئی ہیں۔ یعنی کتبِ فقہ کے ناموں اور ائمہ کے اسماءِ گرامی کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ کہیں حمد کے غنچے چٹک اٹھے ہیں اور کہیں نعت کے پھول کھِل پڑے ہیں۔ کہیں منقبت کے گجرے بن گئے ہیں اور کہیں درود وسلام کی ڈالیاں تیار ہوگئی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ جملہ محسناتِ بدیعیہ از قسم براعتِ استہلال (۱) اور رعایتِ سجع وغیرہ بھی پوری طرح ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اتنی قیود اور پابندیوں کے باوجود خطبے کی سلاست وروانی میں ذرا بھر فرق نہیں پڑا---نہ جملوں کی بیساختگی میں کہیں جھول پیدا ہوا، نہ تراکیب کی برجستگی میں کوئی خلل واقع ہوا۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء ط واللہ ذو الفضل العظیمo

اس مختصر مقالے میں اتنی گنجائش تو نہیں کہ اس ضیا بار خطبے کی تمام خوبیاں گنائی جائیں؛ تاہم چند دلآویز جھلکیاں خوش ذوق قارئین وسامعین کی نذر ہیں۔

گر قبول افتدز ہے عز وشرف

---

(۱) کتاب کے خطبے میں ایسے تلمیحاتی الفاظ لانا جن سے قاری کو پتہ چل جائے کہ یہ کتاب کس موضوع سے متعلق ہے، علم بدیع کی اصطلاح میں ''براعتِ استہلال'' کہلاتا ہے۔

# حمدِ باری تعالیٰ

فقہ حنفی میں امامِ اعظمؒ کی ایک مشہور تصنیف کا نام "فقہ اکبر" ہے۔ اسی طرح جامع کبیر، زیادات، فیض، مبسوط، درر، غرر بھی بلند پایہ فقہی تصنیفات ہیں۔ امام احمد رضا نے ان ناموں میں کہیں ضمیر کا، کہیں حرفِ جر وغیرہ کا اضافہ کر کے ان کو اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ کتابوں کے یہ نام ہی اللہ تعالیٰ کی بہترین حمد بن گئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ هُوَ الْفِقْهُ الْاَكْبَرُ ۞ وَالْجَامِعُ الْكَبِيْرُ لِزِيَادَاتِ فَيْضِهِ الْمَبْسُوْطِ الدُّرَرِ الْغُرَرِ. ۞ (سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اللہ کی تعریف ہی سب سے بڑی دانائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پھیلے ہوئے فیض کے موتیوں جیسے شفاف اور تابناک اضافوں کی بڑی جامع ہے۔)

سبحان اللہ! کیا دلپذیر حمد ہے!

یعنی فیضانِ الٰہی کے اضافے اور زیادات موتیوں کی طرح شفاف اور روشن پیشانیوں جیسے تابناک ہیں۔ اب آپ خود ہی سوچئے کہ جس فیض کے اضافے اور زیادات اس قدر منزہ اور روشن ہوں، اس فیض کی اپنی شفافیت و تابندگی کا کیا عالم ہوگا ---! پھر صاحبِ فیض جل وعلا کی تابانی و درخشانی کی تو بات ہی نہ پوچھئے کہ وہ انسانی فہم وادراک سے ماورا ہے اور زبان و بیان اس کی ترجمانی سے قاصر ہیں۔

بقول شیخ سعدیؒ:

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اولِ وصفِ تو ماندہ ایم

Marfat.com

جـــزاک اللہ ،اے امام احمد رضا! کیا البیلی اور انوکھی حمد بیان کی ہے آپ نے ،اللہ رب العالمین کی---! لیکن واضح رہے سامعین وقارئین کرام! کہ حمد کا یہ پہلو ضمنی ہے، جبکہ امام احمد رضا درحقیقت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کی نہ کوئی حد ہے، نہ انتہا۔ یعنی

حمدِ بے حد مر خدائے پاک را

لیکن محض ''حمد بے حد'' کہہ دینے سے وہ بات نہیں بنتی جو امام احمد رضا کہنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فیضِ مبسوط کا ذکر کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ کے فیض کی کوئی انتہا نہیں اور غیر متناہی فیض کی زیادات، غیر متناہی در غیر متناہی ہوں گی اور جو حمد ان زیادات کی جامع ہوگی وہ غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہوگی اور امام احمد رضا اللہ تعالیٰ کی ایسی ہی حمد کرنا چاہتے ہیں--- الجامع لزیادات فیضہ.....

کیا کمال درجے کا اغراق فی المبالغہ ہے۔ ''حمد بے حد'' یا ''بے انتہا تعریف'' میں اس مبالغے کا عشرِ عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔

## صاحبِ لولاک پر صلوٰۃ و سلام

بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا نے پہلے تو ائمہ فقہ کے ناموں اور معروف القاب کو اس طرح ترتیب دیا کہ کچھ ان میں سے سرورِ عالم ﷺ کے نام بن گئے اور کچھ ان کی صفات۔ اس کے بعد اسمائے کتب سے آنحضرت ﷺ کے فضائل بیان کئے ہیں۔ البتہ صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے دوران امامِ احمد رضا نے مندرجہ بالا تمام محاسن ولطائف کے علاوہ ایک اور خوبی کا اضافہ کیا ہے۔ یعنی سرورِ کونین ﷺ کے بارے میں اپنے عقیدے کی بھی وضاحت کر دی ہے اور یوں اہل سنت کی ترجمانی کا فریضہ بھی انجام دے دیا ہے۔

امام احمد رضا کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم سب کے؛ بلکہ سارے عالم کے مالک ہیں

Marfat.com

لیکن بالذات نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی تملیک سے مالک ہیں۔اپنے نعتیہ کلام میں فرماتے ہیں:

اُن کو تملیکِ ملیکِ الملک سے
مالکِ عالم کہا ، پھر تجھ کو کیا

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بروزِ محشر عاصیوں کی شفاعت فرمائیں گے اور حق تعالیٰ سے ان کو بخشوائیں گے۔

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے، ہم کو ہنساتے جائیں گے

اب دیکھئے کہ ائمہ کرام کے اسماء والقاب سے کس طرح اپنے عقیدے کی وضاحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ لِلرُّسُلِ الْکِرَامِ ✿ مَالِکِیْ وَشَافِعِیْ اَحْمَدُ الْکُرَّام ✿ (اور صلوٰۃ وسلام ہو رسولوں کے سب سے بڑے امام پر، جو میرے مالک ہیں اور میرے لئے شفاعت کرنے والے ہیں، ان کا نام احمد ہے، بہت ہی عزت والے ہیں۔)

امامِ اعظم، امام مالک، امام شافعی امامِ احمد---ائمہ مذاہب اربعہ کے معروف القاب واسماء مذکور ہیں۔انہی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کی جارہی ہے اور ساتھ ساتھ اپنا عقیدہ بھی بیان کیا جارہا ہے۔

تھوڑا آگے بڑھئے اور اہل سنت کے ایک اور عقیدے کی ترجمانی کا انداز دیکھئے!

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام کائنات کی اصل اور مبدا ہیں

تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

یہی عقیدہ امام احمد رضا کا ہے

Marfat.com

اصل ہر بود و بہبود، تخمِ وجود

قاسمِ کنزِ نعمت پہ لاکھوں سلام

اس عقیدے کے اظہار کے لئے آپ نے امام اعظم کے تین مشہور شاگردوں یعنی امام محمدؒ امام حسن بن زیادؒ اور امام قاضی ابو یوسفؒ کے ناموں کا انتخاب کیا اور انہیں اس طرح یکجا کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اسمِ گرامی کا بھی اظہار ہو گیا۔ آپ کے حسن و جمال کا بھی بیان ہو گیا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ حسن یوسف پَرتوِ حسنِ مصطفیٰ ہے، بلکہ خود یوسف علیہ السلام فرعِ مصطفیٰ اور ابن مصطفیٰ ہیں۔ ﷺ

چنانچہ فرماتے ہیں

یَقُوْلُ الْحُسْنُ بِلَا تَوَقُّف ۞ مُحَمَّدِنِ الْحَسَنُ اَبُوْ یُوْسُف ۞

(آپ کے جمال بے مثال کو دیکھ کر خود حسن بغیر کسی توقف کے پکار اٹھتا ہے کہ حسن والے محمد ﷺ درحقیقت یوسف علیہ السلام کے 'اب' اور اصل ہیں۔)

ایک یوسف علیہ السلام پر ہی کیا موقوف --- جب رسول اللہ ﷺ تمام مخلوقات کی اصل ٹھہرے، تو ظاہری وجود میں جو آپ کے جدِ امجد ہیں، یعنی ابو البشر آدم علیہ السلام، وہ بھی حقیقت کے اعتبار سے آپ کے پسر قرار پاتے ہیں۔

''حدائق بخشش'' میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا

اُن کی نبوّت ، اُن کی ابوّت ہے سب کو عام

اُمُّ الْبَشَر عروس انہی کے پسر کی ہے

''ظاہر میں میرے پھول، حقیقت میں میرے نخل''

اُس گل کی یاد میں یہ صدا ابو البشر کی ہے

اور یوسف علیہ السلام کے حسن پر ہی کیا منحصر --- اہل سنت کے نزدیک تو تمام انبیاء و رسل کے جملہ کمالات بارگاہِ مصطفوی کا فیضان و عطا ہے۔ امام بوصیریؒ فرماتے ہیں

Marfat.com

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللهِ مُلْتَمِسٌ
غُرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

(تمام انبیاء رسول اللہ ﷺ کے بحرِ کرم سے ایک چلو کے، یا آپ کی بارانِ رحمت سے ایک چھینٹے کے طلبگار ہیں۔)

اور امام احمد رضا یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں

لَا وَ رَبِّ الْعَرْش! جس کو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

اسی عقیدے کو فتاوٰی رضویہ کے خطبے میں تلمیح کے انداز میں یوں بیان کیا ہے

اَلْبَحْرُ الرَّائِقُ ✿ مِنْهُ يَسْتَمِدُّ كُلُّ نَهْرٍ فَائِقٍ ✿

''البحر الرائق'' اور ''النہر الفائق'' --- ''کنز الدقائق'' کی دو شرحیں ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے ''مِنْهُ يَسْتَمِدُّ كُلُّ'' کا اضافہ کر کے کیا ایمان افروز معنی پیدا کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وہ حیران کن سمندر ہیں کہ ہر فوقیت رکھنے والا دریا اور نہر، انہی سے مدد لیتی ہے۔

گویا رسول اللہ ﷺ فضل و کمال کے بحر ذخار ہیں اور باقی انبیاء و رسل فوقیت رکھنے والے دریا اور نہریں۔ ظاہر ہے کہ دریاؤں اور نہروں میں وہی پانی بہتا ہے جو بھاپ بن کر سمندر سے اٹھتا ہے اور کہیں بارش بن کر برستا ہے، کہیں برف بن کر گرتا ہے۔

## منقبت

اگر کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ متفق ہوں تو فقہاء ان کو ''شَيْخَيْن'' کہتے ہیں اور اگر قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اتفاق ہو تو ان کو ''صَاحِبَيْن'' کہا جاتا ہے اور اگر امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی ایک رائے ہو تو ان کو ''طَرَفَيْن'' کا لقب دیا جاتا ہے۔ اب امام احمد رضاؒ کا کمال دیکھئے کہ

Marfat.com

انہوں نے ان تینوں فقہی اصطلات کو حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ پر منطبق کر دیا اور فرمایا

لاَسِیُمَا الشَّیْخَیْنِ الصَّاحِبَیْنِ ۞ اَلاٰخِذَیْنِ مِنَ الشَّرِیْعَةِ وَالْحَقِیْقَةِ بِکِلاَ الطَّرَفَیْنِ ۞ (خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے وہ دو بزرگ ساتھی، جو شریعت وحقیقت کے دونوں کناروں کو تھامنے والے ہیں۔)

غرضیکہ کیا کیا لکھوں اور کہاں تک لکھوں کہ

نہ حسنش غایتے دارد، نہ سعدیؔ راسخن پایاں

مگر فی الحال اختصار کے پیشِ نظر اتنا ہی کہوں گا کہ اتنے اوصاف ومحاسن پر مشتمل خطبہ آج تک نہیں لکھا گیا --- باقی خصوصیات کو چھوڑیئے، صرف ایک خصوصیت پر نظر ڈال لیجئے، آپ کو میرے دعوے کی صداقت کا یقین آ جائے گا --- اور وہ حیرت فزا خصوصیت یہ ہے کہ اس خطبے میں مجموعی طور پر نوے (۹۰) کتابوں اور اماموں کے نام مذکور ہیں اور جس خوبی ولطافت سے مذکور ہیں اس پر فصاحت ناز کرتی ہے اور بلاغت جھوم جھوم اٹھتی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ فصاحت وبلاغت کی یہ رعنائیاں صرف خطبے تک ہی محدود نہیں؛ بلکہ پورا فتاوٰی تخیل کی نزاکتوں اور ادبی لطافتوں سے مالا مال ہے۔ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو سینکڑوں صفحات درکار ہیں؛ تاہم ایک امتیازی کمال کی طرف اہلِ ذوق کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

امام احمد رضا کا معمول ہے کہ اگر کسی سوال کا جواب زیادہ تفصیل سے دینا ہو تو اس کو ایک مستقل رسالہ بنا دیتے ہیں اور باقاعدہ اس کا نام رکھتے ہیں۔ یہ نام اس قدر موزوں، مناسب اور واقع کے مطابق ہوتا ہے کہ پڑھنے والا امام احمد رضا کی دسترس اور رسائی پر حیران رہ جاتا ہے۔ ہر نام میں مندرجہ ذیل چار خصوصیات مشترک ہوتی ہیں

۱--- عموماً نام عربی یا فارسی میں ہوتا ہے، خواہ رسالہ کسی بھی زبان میں ہو۔

۲--- ہر نام دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں حصوں کا آخری حرف ایک ہی ہوتا

ہے۔یعنی سجع کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

۳--- ہر نام اسم با مسمّٰی ہوتا ہے۔یعنی نام سے ہی پتا چل جاتا ہے کہ اس رسالے کا موضوع کیا ہے۔

۴--- ہر نام عموماً تاریخی ہوتا ہے،یعنی ابجد کے حساب سے اگر اس کے حروف کے اعداد نکالے جائیں،تو ان کا مجموعہ اس سن پر دلالت کرتا ہے جس میں وہ رسالہ لکھا گیا۔

مثال کے طور پر رضا فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام آب وتاب سے چھپنے والی فتاوٰی رضویہ کی پہلی جلد میں گیارہ رسالے ہیں۔ان میں سے بطورِ نمونہ صرف تین نام پیش خدمت ہیں۔

ا---اگر امام ابوحنیفہ اور صاحبین ومتاخرین فقہاء کا کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں کس کے قول پر فتویٰ ہوگا---؟ امام صاحب کے---؟ صاحبین ودیگر فقہاء کے---؟ یا بعض معاملات میں امام صاحب کے قول پر اور بعض میں صاحبین ودیگر فقہاء کی رائے پر---؟اس مسئلے کی توضیح کے لئے امام احمد رضا نے جو رسالہ لکھا،اس کے نام سے ہی ان کی تحقیق واضح ہو جاتی ہے

اَجْلَی الْاِعْلَام، اَنَّ الْفَتْوٰی مُطْلَقاً عَلٰی قَوْلِ الْاِمَام.

(واضح اعلان کہ فتویٰ بہر صورت امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے۔)

ب---کون سی نیند ناقضِ وضوء ہے اور کون سی نہیں---؟اس کی تفصیلات سے قوم کو آگاہ کرنے کے لئے جو رسالہ لکھا ہے،اس کا نام ہے

نَبْهُ الْقَوْم، اَنَّ الْوُضُوْءَ مِنْ اَیِّ نَوْم۔(قوم کو آگاہ کرنا کہ کون سی نیند کے بعد وضوء ہے۔)

ج---حالتِ جنابت میں قرأت جائز ہے یا نہیں---؟اگر جائز ہے،تو کن کن صورتوں میں---؟ ان مسائل سے پردہ اٹھانے والے رسالے کا نام ہے

اِرْتِفَاعُ الْحُجُب، عَنْ وُجُوْهِ قِرْاَةِ الْجُنُب. (پردوں کا اٹھ جانا،ان تمام صورتون سے جو جنبی کی قرأت سے متعلق ہیں۔)

Marfat.com

تینوں رسائل کے نام مندرجہ بالا چاروں خصوصیات کے جامع ہیں، جن میں سے پہلی تین تو واضح طور پر نظر آ رہی ہیں، البتہ چوتھی خصوصیت استخراج کا تقاضا کرتی ہے۔ نبہ القوم کا استخراج درج ذیل ہے کیونکہ یہ نام تینوں میں مختصر ہے۔ باقی ناموں کو اس پر قیاس کر لیجئے۔

| نبہ القوم | ان الوضوء من ای نوم |
|---|---|
| ن، ب، ہ، ا، ل، ق، و، م | ا، ن، ا، ل، و، ض، و، م، ن، ا، ی، ن، و، م |
| ۲۳۴=۴۰+۶+۱۰۰+۳۰+۱+۵+۲+۵۰ | ۱۰۹۱=۴۰+۶+۵۰+۱۰+۱+۵۰+۴۰+۶+۸۰۰+۶+۳۰+۱+۵۰+۱ |

۲۳۴+۱۰۹۱=۱۳۲۵، اس کا مجموعۂ اعداد ہے اور یہی سنِ تاریخ ہے۔

امام احمد رضا کے سوا ایسے عمدہ، اعلیٰ، دلنشین اور فکر و فن کے شہکار نام کون رکھ سکتا ہے! تاریخ میں کسی ایک فاضل کا نام بتا دیجئے، جس نے اتنے رسالے لکھے ہوں اور ان کے ایسے خوبصورت نام تجویز کئے ہوں۔

بلاشبہ امام احمد رضا متنبّی کے اس شعر کا حقیقی مصداق ہیں

مَضَتِ الدُّهُوْرُ وَمَا اَتَیْنَ بِمِثْلِهٖ

وَلَقَدْ اَتٰی فَعَجَزْنَ عَنْ نُظَرَائِهٖ

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ و ذریاتہ اجمعین ط

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود

ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام

Marfat.com

شافعی ، مالک ، احمد ، امامِ حنیف
چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام
بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب
تا ابد اہلِ سنت پہ لاکھوں سلام
ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

Marfat.com

# قربانی کے لئے کَٹّی کی خریداری

(ایک دلچسپ اور تبسم ریز قصہ)

عیدالاضحیٰ قریب آئی تو مجھے قربانی کے لئے کوئی جانور خریدنے کی فکر لاحق ہوئی۔ ہری پور میں جانوروں کی منڈی جمعرات کے دن لگتی ہے، چنانچہ عید سے پہلی جمعرات کو میں، ٹھیکیدار عبدالرشید صاحب، بابو اورنگزیب صاحب اور حاجی گل زمان المعروف گل لالہ (۱) عازم منڈی ہوئے۔ ابھی منڈی میں گھوم پھر ہی رہے تھے کہ ہمارا دوسرا گروپ جس میں برخوردارم قاضی عابدالدائم اور میرے دو بھانجے عزیزم قاضی محمد رضا اور عزیزم قاضی محمد سجاد شامل تھے، آ پہنچا اور سب نے مل کر اچھے جانوروں کی تلاش شروع کر دی۔

منڈی میں دو نوجوان بچھڑے سب کی نگاہوں کا مرکز تھے مگر قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک فروخت نہیں ہوئے تھے۔ اللہ کی مدد شامل ہوئی اور احباب کے تعاون سے دونوں بچھڑے ہمیں نہایت مناسب قیمت پر مل گئے۔ بچھڑوں کی یہ جوڑی اس قدر خوبصورت تھی کہ ہر آدمی اسے دیکھنے کے لئے رک جاتا تھا اور ہمارے حسن انتخاب کی داد دیتا تھا۔

ہم تو خریداری سے فارغ ہو گئے مگر میرے بھانجے ابھی تک اپنے لئے مناسب جانور کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ٹھیکیدار صاحب اور قاضی رضا کی آپس میں خاصی بے تکلفی ہے اور ان کی نوک جھونک جاری رہتی ہے۔ چنانچہ منڈی سے واپسی کے وقت ٹھیکیدار صاحب نے قاضی رضا سے کہا

---

(۱) اب گل لالہ وفات پا چکے ہیں۔ وہ حضرت معظمؒ کے پسندیدہ حجام تھے اور یہ خدمت اس دور سے انجام دے رہے تھے جب حضرت معظمؒ "درویش" میں رہا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں خانقاہ شریف میں منعقدہ تقریبات میں کھانا پکوانا اور تقسیم کرنا بھی انہیں کی ذمہ داری تھی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی قبر پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

Marfat.com

کہ دیکھ بھال کر خریداری کیجئے گا۔ یہ نہ ہو کہ آپ کوئی ایسی چیز پکڑ لائیں جس کی قربانی جائز ہی نہ ہو۔

"مطمئن رہیں" قاضی رضا نے کہا "انشاءاللہ آپ والے بچھڑوں سے بہتر جانور خرید کر لائیں گے۔"

"دیکھا جائے گا" ٹھیکیدار صاحب نے بے اعتنائی سے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

ہمیں خانقاہ شریف واپس آئے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ قاضی رضا اور قاضی عابد بھی آ گئے۔ قاضی رضا تو شاید تھکاوٹ کی وجہ سے گھر چلا گیا تھا؛ البتہ قاضی عابد نے آ کر انتہائی فخریہ لہجے میں بتایا کہ ہم کٹی خرید لائے ہیں۔ یہ سنتے ہم اٹھ کر کٹی کو دیکھنے کے لئے بصد اشتیاق دوڑ پڑے۔ قاضی عابد نے کہا کہ --- یہ رہی وہ کٹی!

ہم اسے دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ کٹی بہت چھوٹی تھی اور کسی طرح بھی دو سال کی نظر نہیں آتی تھی۔ ٹھیکیدار صاحب نے کہا "یہ کٹی ---!؟ یہ بھلا کیسے قربانی لگ سکتی ہے ---! قربانی کے لئے تو دوندی (دو دانتوں والی) ہونی چاہئے۔"

"یہ دوندی ہی ہے۔" قاضی عابد نے کہا "ہم اچھی طرح دیکھ کر لائے ہیں۔"

ٹھیکیدار صاحب نے کٹی کا منہ اٹھا کر اس میں اپنی لمبی لمبی انگلیاں گھسیڑیں اور کہا "اس کو آپ دوندی کہہ رہے ہیں ---!؟ اس کا تو ایک دانت بھی نہیں۔"

"دراصل اس کے پرانے دانت گر چکے ہیں" قاضی عابد نے بتایا "اور نئے دانت ابھی نہیں نکلے۔ ایسی صورت میں قربانی جائز ہے۔ منڈی میں بہت سے لوگ ابا جی سے قربانی کے مسائل پوچھ رہے تھے تو انہوں نے ایک آدمی کو یہی بتایا تھا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے" ٹھیکیدار صاحب بولے "لیکن اس کے دانت خود نہیں گرے ہیں بلکہ توڑے گئے ہیں۔"

یہ ایک نیا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ قاضی رضا کا کہنا تھا کہ اس کے دانت خود گرے ہیں اور ٹھیکیدار صاحب کا اصرار تھا کہ توڑے گئے ہیں۔ میرے پھوپھی زاد بھائی قاضی بدرالدجیٰ صاحب نے ٹھیکیدار

صاحب کی تائید کی اور کہا کہ دانت جان بوجھ کر توڑے گئے ہیں۔اس پر دلیل انہوں نے یہ پیش کی کہ کٹی دانتوں پر بار بار زبان پھیرتی ہے۔

مجھے تو سمجھ نہ آئی کہ دانتوں پر زبان پھیرنے سے دانتوں کا شکستہ ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ٹھیکیدار صاحب کو یہ تائید غنیمت معلوم ہوئی۔ بولے ''بالکل ٹھیک کہا آپ نے---! یہی بات میں ان کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر یہ سمجھ نہیں رہے''!

ان دنوں وٹرنری سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ نیاز صاحب فیصل آباد سے آئے ہوئے تھے۔(۱) قاضی رضا ان کو بلا لایا۔انہوں نے بغور معائنہ کرنے کے بعد کہا ''بہت اچھی نسل کی کٹی ہے''

''اس سے بحث نہیں کہ اس کی نسل اچھی ہے یا خراب'' قاضی رضا جھنجھلا کر بولا ''معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ دو سال کی ہوگئی ہے یا نہیں---!؟''

نیاز صاحب نے ایک بار پھر غور و فکر کیا اور کہا ''دو سال کی تو یقیناً ہوگئی ہے اس لئے اس کی قربانی صحیح ہے۔''

قاضی رضا نے کہا ''بالکل ٹھیک کہا آپ نے---! یہی بات میں ان کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر یہ سمجھ نہیں رہے۔''

یوں ووٹ برابر ہو گئے اور کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔قاضی رضا نے یہ دلچسپ پیش کش بھی کی اگر دانت ہی ضروری ہیں تو میں کٹی کو کسی ڈینٹسٹ کے پاس لے جاتا ہوں اور دو دانت فٹ کرا لاتا ہوں مگر ٹھیکیدار صاحب نے مصنوعی دانتوں کا نظریہ مسترد کر دیا اور کہا ''پہلے ہی دیکھ بھال کر خریدنی چاہئے تھی، اب ایسی بے کار کوششوں کا کیا فائدہ؟''

---

(۱) اب یہ بزرگوار مرحوم ہو چکے ہیں۔حضرت معظمؒ کے قدیمی ارادتمندوں میں سے تھے۔جب تک صحتمند رہے، ہر سال خانقاہ شریف کی مسجد میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔تقریباً تیس سال تک وہ مسلسل جامع مسجد صدر یہ میں اعتکاف بیٹھتے رہے۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔آمین

Marfat.com

قاضی رضا اور ٹھیکیدار صاحب کا یہ جھگڑا دو دن تک جاری رہا۔ ہفتے کے دن ہمارے ایک اور مخلص دوست حاجی محمد ایوب صاحب (گھیڑیاں والے) آئے اور کہا کہ میں نے دو بہت عمدہ اور خوبصورت بچھڑے خریدے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ بھی انہیں ایک نظر دیکھ لیں۔ چنانچہ سب ان کے ساتھ گئے اور ان کے بچھڑے دیکھے۔ واقعی دونوں بچھڑے حسن و جمال کا شہکار تھے۔ حاجی صاحب نے کہا---"جب تک میں نے آپ کے بچھڑے نہیں دیکھے تھے، اپنے بچھڑوں کو بے مثال سمجھتا رہا، مگر اب میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ زیادہ خوبصورت ہیں یا آپ والے۔"

یہ فیصلہ کرنا واقعی مشکل تھا اس لئے ہم بھی کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے اور سب نے یہی کہا کہ دونوں جوڑیاں اپنی مثال آپ ہیں۔

حاجی صاحب نے ہمارے لئے پرتکلف چائے کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ چنانچہ بچھڑوں کے معائنے کے بعد خورد و نوش کا سلسلہ شروع ہوا تو ٹھیکیدار صاحب نے پھر کٹی کا مسئلہ چھیڑ دیا اور نہایت سنجیدگی سے قاضی رضا کو قائل کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ اس کٹی کی قربانی جائز نہیں ہے۔ آخر آپ کوئی اچھا سا جانور کیوں نہیں خرید لیتے؟

قاضی رضا نے کہا---"دراصل ماموں جان اور آپ کے پاس پیسوں کی فراوانی ہے اس لئے آپ قیمتی سے قیمتی جانور خرید سکتے ہیں؛ جبکہ میں نے اپنی استطاعت اور گنجائش کے مطابق ہی کوئی چیز خریدنی ہے۔"

حاجی ایوب صاحب ہنسے اور کہا---"کم از کم میرے سامنے تو آپ ایسی بات نہ کریں۔ ابھی گذشتہ چند دنوں میں میں نے اپنے دستخطوں سے آپ کے لئے اڑھائی لاکھ سے زیادہ کے چیک ایشو کئے ہیں۔"

حاجی صاحب ڈویژنل اکاؤنٹنٹ ہیں اور قاضی رضا اسی محکمہ کا کنٹریکٹر۔ ظاہر ہے کہ حاجی صاحب سے اس کی مالی پوزیشن مخفی نہیں رہ سکتی تھی اس لئے یہ نکتہ کارگر نہ ہوا۔

Marfat.com

آخر قاضی رضا کو جان چھڑانے کی اور کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے ساری ذمہ داری قاضی سجاد کے سر ڈالدی اور کہا کہ میں نے خریداری کا کام ان کے ذمے لگایا تھا اور تاکید بھی کی تھی کہ میرا واسطہ بہت ہی نقاد قسم کے دوستوں سے ہے اس لئے کوئی ایسی چیز نہ خریدنا جس پر کوئی اعتراض ہو سکے مگر اس کے باوجود انہوں نے یہ کٹی خرید لی۔

''یہ توجیہ تب قابل قبول ہوتی'' ٹھیکیدار صاحب نے کہا ''کہ قاضی سجاد صاحب نے اکیلے میں خریداری کی ہوتی۔ منڈی میں تو آپ بھی ان کے ساتھ تھے۔ آپ کہہ دیتے کہ میں یہ کٹی نہیں لیتا۔''

حاجی صاحب نے نہلے پر دہلا مارا اور بولے---''اس مختصر الوجود اور پاؤ بھر کی کٹی سے تو بہتر ہے کہ پولٹری فارم سے کوئی تکڑا سا مرغ خرید لیں اور اس کی قربانی دے دیں۔''

آخر قاضی رضا کا دفاع رفتہ رفتہ کمزور پڑتا گیا اور وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ سچ ہی نہ ہو اور قربانی رائیگاں ہی نہ چلی جائے۔ چنانچہ واپسی پر اس نے ایک بھینسیں رکھنے والے کو بلایا اور کہا کہ اس کٹی کو دیکھ کر بتاؤ کہ یہ دو سال کی ہوگئی ہے نہیں؟

ماہرِ امورِ بھینس نے خاصے طویل معائنے کے بعد فیصلہ دیا کہ کٹی ہرگز دو سال کی نہیں ہے اور فروخت کرنے والے نے محض خریدار کو دھوکہ دینے کے لئے اس کے دانت توڑ دیئے ہیں۔

یوں ٹھیکیدار صاحب کا موقف درست ثابت ہؤا اور کٹی قربانی کے لئے نا اہل قرار پائی، حالانکہ ٹھیکیدار صاحب نے یہ بات محض قاضی رضا سے چھیڑ چھاڑ کے لئے کہی تھی جو بالآخر حیرت انگیز طور پر صحیح نکل آئی۔

ویسے عمر اور قد و مامت سے قطع نظر، کٹی کی خوبصورتی میں کوئی شک نہیں تھا۔ نیاز صاحب یہ انکشاف بھی کر چکے تھے کہ اس کی نسل بہت اعلیٰ ہے، چنانچہ بشیر صاحب قاضی رضا کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے کہ یہ کٹی قیمت خرید پر مجھے دے دیں، میں اس کو رکھنا چاہتا ہوں۔

قاضی رضا نے کہا---''بشیر صاحب! مجھے یہ ساری سازش ہی آپ کی لگتی ہے۔ آپ اس

Marfat.com

کٹی کو قابو کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ نے سب کو ہمنوا بنا لیا اور اچھی بھلی کٹی کو قربانی کے لئے ناموزوں قرار دلوادیا۔"

بہر حال کٹی بشیر صاحب لے گئے اور قاضی رضا کے لئے کوئی اور جانور خریدنے کے سوا چارۂ کار نہ رہا۔ چنانچہ عید سے ایک دن پہلے والی منڈی میں جا کر وہ نہایت ہی عمدہ اور تگڑا بچھڑا خرید لایا جسے سب نے بہت پسند کیا، مگر اس دن ٹھیکیدار صاحب عید منانے کے لئے اپنے گھر چلے گئے تھے۔ ان کا گھر مانسہرہ سے آگے گڑھی حبیب اللہ کے پاس ہے۔ اس وجہ سے وہ اس بچھڑے کو نہ دیکھ سکے؛ تاہم قاضی رضا نے قربانی سے پہلے بچھڑے کے ہر زاویے سے فوٹو اتارے تاکہ جب ٹھیکیدار صاحب واپس آئیں تو ان کو دکھائے جا سکیں اور ان کی طنز و تشنیع سے بچا جا سکے۔

یوں کٹی کے بجائے بچھڑا ذبح ہوا اور سب نے مزے لے لے کر اس کے کباب کھائے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر لاکھوں درود و سلام بھیجے جنہوں نے ہم جیسے خوش خوراکوں کے لئے اس سنت کو جاری فرمایا۔ آمین۔

❁❁❁

قارئینِ کرام! یہ واقعہ دس بارہ سال پہلے کا ہے۔ بطور تحدیث نعمت یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آج کل قاضی محمد رضا ہر سال عیدالاضحیٰ پر ڈیڑھ دو سو کے لگ بھگ قربانیاں کرتا ہے۔ دراصل قاضی محمد رضا کا بھائی عزیزم قاضی حسن رضا انگلینڈ میں ایک بڑے اسلامک سینٹر کا نگران ہے۔ وہاں اس نے غریبوں ناداروں کی امداد کے لئے ایک تنظیم بنا رکھی ہے جس کا نام SAVE THE MOTHER TRUST (Int.) UK ہے۔ اسی تنظیم کے تعاون سے غرباء و مساکین کو عیدالاضحیٰ کی خوشیوں میں شامل کرنے کے لئے یہ قربانیاں کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قاضی محمد رضا، قاضی حسن رضا اور قاضی حامد رضا کی ان کاوشوں کو قبول فرمائے اور انہیں زیادہ سے زیادہ خدمت خلق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❁❁❁

Marfat.com

# علامہ عبدالستار ہمدانی کی کتاب

# فنِ شاعری

# اور

# حسان الھند

کا علمی اور تحقیقی جائزہ جو معارف رضا، کراچی، میں شائع ہوا

❀❀❀

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی شخصیت اتنی رفیع وضیا بار ہے کہ متنبّی کے اس شعر کا حقیقی مصداق ہے۔

کالشمس فی کبدالسماء و ضوء ھا

یغشی البلاد مشارقا و مغاربا

جیسے سورج، کہ رفعت و بلندی کے اعتبار سے آسمان کے وسط میں دکھائی دیتا ہے مگر اس کی روشنی مشرق ومغرب کے تمام شہروں کو ڈھانپ لیتی ہے۔

الحمدللہ کہ آسمان علم وفضل کے اس شمس تاباں اور مہر درخشاں کی روشنیاں افق تا افق پھیل رہی ہیں اور اربابِ کمال کے اذہان وقلوب کو ضیاء وجلا بخش رہی ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس

Marfat.com

آفتاب عالمتاب سے پھوٹنے والی کرنوں کو پہلے خود اپنے دیدہ ودل میں اتارتے ہیں، پھر انہیں نہایت خوبصورت انداز میں سمیٹ کر دنیا کے سامنے ایسے طریقے اور سلیقے سے پیش کرتے ہیں کہ معمولی پڑھا لکھا قاری بھی ان کی روشنی میں نہا جاتا ہے۔

ایسے ہی ایک بخت ور علامہ عبدالستار ہمدانی بھی ہیں جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی شاعری اور اس میں پائے جانے والے صنائع بدائع کا ایسا بھرپور اور جامع جائزہ پیش کیا ہے کہ آدمی اَش اَش کر اٹھتا ہے اور لبوں سے بے اختیار داد و تحسین کی برسات ہونے لگتی ہے۔

صناعات فن شاعری کی توضیح وتشریح اور ہر صنعت میں دیگر شعراء سے اعلیٰ حضرت کی برتری و بالاتری جس طرح دلائل و براہین سے ثابت کی ہے، اس سے علامہ ہمدانی کی غیر معمولی وسعتِ مطالعہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے؛ تاہم ضروری نہیں کہ ہر وسیع المطالعہ شخص اپنے نتائج مطالعہ کو دوسرں تک پہنچانے؛ بلکہ ان کے دلوں میں اتارنے کا ڈھنگ بھی جانتا ہو۔ ہاں، علامہ ہمدانی میں یہ خوبی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے حسنِ بیان سے قاری کا دل موہ لیتے ہیں اور انتہائی گنجلک، مغلق اور پیچیدہ مسائل کو اتنا آسان، سہل اور سادہ بنا دیتے ہیں کہ پڑھنے والے کا سینہ پوری طرح کھل جاتا ہے اور اس کے ذہن میں ذرا سا ابہام بھی باقی نہیں رہتا۔

صناعات کے علاوہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے اشعار میں پائی جانے والی بعض مشکل تراکیب کی بھی اتنی عمدہ تشریح کی ہے کہ شاید ہی کوئی کر سکے۔ مثلاً اعلیٰ حضرت کا ایک شعر ہے:-

صاف شکلِ پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
''خط توأم'' میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

اس شعر کو کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا جب تک یہ نہ جان لے کہ ''خط توام'' کیا چیز ہے؟ اور خط توام کی حقیقت جاننے کے لئے بہر حال علامہ ہمدانی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جنہوں نے لفظوں، نقشوں اور مثالوں کی مدد سے اس کا مفہوم ایسا واضح کیا ہے کہ آدمی جھوم اٹھتا ہے اور دل باغ باغ ہو جاتا

ہے۔ جو قارئین اس شعر کو سمجھنا چاہتے ہوں وہ اس کتاب کے ص ۲۳۸۔۲۴۱ کا ضرور مطالعہ کریں۔

دعا ہے کہ علامہ ہمدانی کی اس کتاب کو بارگاہ الٰہی سے، دربارِ رسالت سے اور آستانہ اعلیٰ حضرت سے سند قبول بدرجۂ ممتاز حاصل ہو اور عوام وخواص، سب کی جانب سے اسے بھرپور پذیرائی ملے۔

دورانِ مطالعہ چند فروگزارشتیں نظر میں آئی ہیں جو پیشِ خدمت ہیں۔

۱---ص ۱۲۰، شعر ۲۵

لُحْتَ فَلَاحَ الْفَلَاحْ رُحْتَ فَرَاحَ الْمَرَاحْ

عُـدْ لِيَـعُـوْدَ الْهِـنَـا تم پہ کروڑوں درود

اس شعر کو صنعت اقتباس کے ذیل میں ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ یہ عربی جملے نہ تو آیات ہیں، نہ احادیث؛ بلکہ اعلیٰ حضرت کے اپنے الفاظ ہیں۔ اس لحاظ سے یہ شعر صنعت تلمیح کا ایک شہ پارہ ضرور ہے اور اس کے پہلے مصرعے میں تجنیس کی بھی ایک دنیا آباد ہے مگر صنعت اقتباس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

عربی نہ جاننے والے قارئین کے لئے شعر کا خوبصورت مفہوم پیشِ خدمت ہے۔

(یارسول اللہ!) آپ جلوہ گر ہوئے تو کامیابی ظاہر ہوگئی، آپ چل دیئے تو ہر خوشی ہم سے روٹھ گئی، براہ کرم لوٹ آیئے، تاکہ ہماری خوشیاں بھی واپس آجائیں۔ آپ پر کروڑوں درود ہوں۔

۲---ص ۱۴۸ پر شعر ۸ اور ۹ کو صنعتِ تلمیح کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان میں تلمیح بھی پائی جاتی ہے مگر میرے خیال میں یہ صنعتِ اقتباس سے زیادہ ہم آہنگ ہیں کیونکہ نمبر ا میں جو عربی مصرعہ ہے وہ مکمل قرآنی آیت ہے اور نمبر ۹ والا عربی مصرعہ آیت کا ایک حصہ ہے۔

۳---ص ۲۹۹ پر اعلیٰ حضرت کے شعر

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ

بیجا سے ہے اَلْـمِـنَّـةُ لِلّٰـه محفوظ

Marfat.com

کی تشریح کرتے ہوئے ''بیجا'' کے بارے میں فیروز اللغات کے حوالے سے لکھا ہے

''بیجا=ایک ڈراؤنی شکل کا کاغذی چہرہ جسے بچے منہ پر رکھ کر ڈراتے ہیں۔''

پھر اس معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے شعر کا مطلب یوں بیان کیا گیا ہے۔

''یعنی میں اپنے کلام سے مسرور ہوں کیونکہ اس راہ میں جو ڈراؤنی صورت پیش آتی ہے، اس سے اللہ کا شکر ہے کہ میں حفاظت کیا گیا ہوں۔''

یہ معنی تو تب درست ہوتے جب دوسرے مصرع میں ''ہے'' کے بجائے ''ہوں'' ہوتا، یعنی اعلیٰ حضرت اپنے بارے میں کہتے کہ اَلْمَنَّۃُ لِلّٰہ میں ''بیجا'' سے، یعنی ڈراؤنی صورت پیش آنے سے محفوظ ہوں۔

جبکہ اعلیٰ حضرت تو اپنے کلام کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ وہ اَلْمَنَّۃُ لِلّٰہ ''بیجا'' سے محفوظ ''ہے'' اور ظاہر ہے کہ کلام کو کوئی ایسی ڈراؤنی صورت نہیں پیش آ سکتی جس سے محفوظ رہنے پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔

یہ ساری غلطی ''بیجا'' کے املا سے لگی۔ درحقیقت یہ لفظ ''بے جا'' ہے جس کو کبھی ''بیجا'' بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ جیسے ''بے دم'' کو ''بیدم'' اور ''بے دل'' کو ''بیدل'' لکھ دیا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے کلام سے نہایت مسرور ہوں کیونکہ وہ ہر بے جا چیز سے یعنی بے جا لفاظی، بے جا مبالغہ آرائی اور بے جا مدح وذم وغیرہ سے بحمداللہ محفوظ ہے۔

۴---ص ۱۰۳ پر حُدٰی کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ رات کو عرب ساربان بیٹھ کر اپنے اہل وعیال کی یاد میں جو نغمے الاپتے تھے انہیں حدی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ حدی اس نغمے کو کہا جاتا ہے جو سفر کے دوران اونٹوں کو تیز چلانے کے لئے گایا جاتا ہے۔ ایسے نغمے گانے والے کو عربی میں حادی اور فارسی میں حدی خوان کہا جاتا ہے۔ غیاث اللغات فارسی میں ہے۔

''حُدٰی---بضم اول وفتح دال مہملہ وبعدہ الف بصورت یا۔ سرودے کہ در عرب شتر بانان

Marfat.com

مے سرایند وشتر بدان مست شدہ چالاک مے گردد۔ از مدار۔ و در منتخب وصراح، حدی بضم اول بمعنی راندن شتر بنغمہ۔'' غیاث اللغات، فصل حائے مہملہ مع دال مہملہ، ص ۱۶۹۔

مختصر یہ کہ حدی اس نغمے کو نہیں کہا جاتا جو بزم شبانہ میں مل بیٹھ کر اہل وعیال کی یاد میں گایا جاتا ہے؛ بلکہ حدی وہ نغمہ ہے جو سفر کے دوران اونٹوں کو تیز چلانے کے لئے الاپا جاتا ہے۔

غرضیکہ اس طرح کی متعدد فروگزاشتیں پائی جاتی ہیں مگر اتنی مفصل کتاب میں چند چھوٹی موٹی اڑچنوں کا پایا جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے؛ البتہ نہایت افسوسناک لغزش وہ ہے جو نعت مستزاد کی تقطیع میں واقع ہوئی ہے۔

مصنف اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:-

''○ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:-

■ وہی رب ہے جس نے تجھ کو، ہمہ تن کرم بنایا

ہمیں بھیک مانگنے کو ، ترا آستاں بتایا تجھے حمد ہے خدایا

(آیئے!) اس شعر کو علم عروض کے ضوابط وقوانین سے صنعت مستزاد کا ثابت کریں۔ صنعت مستزاد کی شرط یہ ہے کہ جو زائد ٹکڑا ہوتا ہے، وہ اسی مصرعہ کے رکن اول اور رکن آخر کے برابر ہوتا ہے۔ مذکورہ شعر میں دو مصرعے ہیں اور ہر مصرعہ دو رکن پر مشتمل ہے۔

○ پہلا مصرعہ:- ''وہی رب ہے جس نے تجھ کو'' رکن اول ہے

'' ہمہ تن کرم بنایا '' رکن آخر ہے

ان دونوں ارکان کی تقطیع کریں:-

■ رکن اول:- وہی رب ہے جس نے تجھ کو

رکن کے حروف:- وہ یٔ + رب + ہ ی + ج س + ن ی + ت جھ + ک وٗ

Marfat.com

تعدادحروف:- ۴ + ۲ + ۲ + ۲ + ۲ + ۲ + ۲ + ۴ = ۱۵حروف

کٹنے کے بعد:- ۲ + ۲ + ۲ + ۲ + ۲ + ۲ + ۱ = ۱۳حروف

■ رکن آخر:- ہمہ تن کرم بنایا

ہ م ہ + ت ن + ک ر م + ب ن ا ی ا

۳ + ۲ + ۳ + ۵ = ۱۳حروف

پہلے مصرعہ کے رکن اوّل اور رکن آخر دونوں کے حروف ۱۳ اور ۱۳ ہیں۔

○ دوسرا مصرعہ:- "ہمیں بھیک مانگنے کو" رکن اول ہے

" ترا آستاں بتایا " رکن آخر ہے

■ رکن اول:- ہمیں بھیک مانگنے کو

رکن کے حروف:- ہ م ی ں + بھ ی ک + م ا ن گ ن ے + ک و

تعدادحروف:- ۴ + ۳ + ۶ + ۲ = ۱۵حروف

دوحروف کٹنے کے بعد:- ۳ + ۳ + ۶ + ۱ = ۱۳حروف

■ رکن آخر:- ترا آستاں بتایا

رکن کے حروف:- ت ر ا + آ س ت ا ں + ب ت ا ی ا

تعدادحروف:- ۳ + ۵ + ۵ = ۱۳حروف

○ زائد ٹکڑا:- تجھے حمد ہے خدایا

ٹکڑے کے حروف:- ت جھ ی + ح م د + ہ ی + خ د ا ی ا

تعدادحروف:- ۳ + ۳ + ۲ + ۵ = ۱۳حروف

Marfat.com

مذکورہ تقطیع کے حساب سے شعر کے دونوں مصروں کے رکن اول اور رکن آخر کے ۱۳/ اور ۱۳/ حروف ہیں اور ان ارکان کے حروف کی تعداد سے زائد ٹکڑے کے حروف کی تعداد بھی مساوی ہے۔ لہٰذا یہ شعر صنعت مستزاد کا ہونے میں علم عروض کی اصطلاح کے اصول وضوابط پر پورا اترتا ہے۔ مذکورہ تقطیع میں شاید کسی کو یہ شک ہو کہ پہلے مصرعہ کے رکن اول میں پندرہ حروف ہیں، انہیں کاٹ کر ان کی تعداد ۱۳ کس طرح ہوگی۔ اسی طرح دوسرے مصرعے کے رکن اول کے حروف پندرہ سے تیرہ ہو گئے ہیں۔ دونوں ارکان سے حرف ''ی'' اور حرف ''واؤ'' کاٹے گئے ہیں۔ یعنی علم عروض کی اصطلاح میں حذف کئے گئے ہیں اور یہ حذف کرنا علم عروض کے ضوابط کے تحت ہے۔'' (حسان الہند، ص ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷۔)

ہمارے خیال میں یہ ساری کاوش بوجوہ غلط ہے۔

**اولاً**---اس لئے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ان حروف کو حذف کرنا درست ہے، مگر کس اصول کے تحت؟ کیا یہ مرضی کی بات ہے کہ حرفوں کی تعداد برابر کرنے کے لئے جہاں سے جی چاہا ''ی'' اور ''و'' کو کاٹ دیا یا اس کا کوئی قاعدہ قانون ہے؟ اگر مرضی پر منحصر ہے تو پہلے جزو میں ''ہمیں'' کی ''ی'' اور ''کو'' کی ''واؤ'' کی کیا تخصیص ہے؟ ''ہے'' اور ''نے'' کی یاء کو کیوں نہ حذف کر دیا جائے؟ اسی طرح دوسرے جزو میں ''ہمیں'' کی ''یاء'' کاٹنے کے بجائے ''مانگنے'' کی یاء کیوں نہ کاٹ دی جائے؟ اس طرح بھی تو دونوں اجزاء کے حروف تیرہ ہو جائیں گے اور اگر حذفِ حروف کے لئے کوئی قاعدہ ہے تو وہ کون سا ہے جس کی بناء پر مصنف نے بالخصوص ان حروف کو حذف کیا ہے؟

**ثانیاً**---اس لئے کہ حروف کی اس تقطیع میں ''ہمیں'' ''مانگنے'' اور ''آستاں'' کے نون غنہ کو برقرار رکھا گیا ہے، حالانکہ نون غنہ سرے سے حرف ملفوظ شمار ہی نہیں کیا جاتا۔ جس طرح ''زمین و زماں'' کے بارے میں خود مصنف کو اعتراف ہے کہ اس نعت کا وزن مفاعلتن ہے اور یہ وزن ''زماں'' کے الف پر پورا ہو جاتا ہے، نون غنہ حساب میں نہیں آتا۔

**ثالثًا** ---اس لئے کہ ''آستاں'' کے ''آ'' کوایک حرف قرار دیا گیا ہے، حالانکہ تقطیع میں یہ دوحرفوں کے قائم مقام ہوتا ہے، جس طرح مصنف نے ص ۱۰۰ پر ''مآلی ہے'' کا وزن ''مفاعیلن'' قرار دیا ہے اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ ''مآ'' بروزن ''مفا'' ہو، یعنی ''مآ'' تین حروف شمار ہوں گے، ایک ''م'' اور دوحرف ''آ''۔

درج بالا وجوہ کی بناء پر یہ تقطیع سر بسر غلط اور بے قاعدہ ہے کیونکہ تقطیع کے بارے میں خود مصنف نے لکھا ہے کہ---''بحر کے ارکان سے ہم وزن کرنے کے لئے شعر کے الفاظ کے ٹکڑے کئے جاتے ہیں۔'' ص ۹۹۔

جبکہ مصنف نے نہ تو اس نعت کا بحر متعین کیا ہے، نہ اس کے مطابق حروف کے ٹکڑے کئے ہیں، پھر اس کو تقطیع کیونکر کہا جاسکتا ہے؟

تو آیئے اس نعت کا بحر معلوم کریں، پھر اس کے مطابق تقطیع کریں تا کہ صحیح صورت حال واضح ہوسکے لیکن اس کے لئے پہلے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

ا---اعلیٰ حضرت کی یہ انتہائی معیاری اور بلند پایہ نعت بحر رمل، مثمن سے ہے، جس کا پہلا رکن مشکول ہے، دوسرا سالم، پھر تیسرا مشکول اور چوتھا سالم، علی ہذا القیاس آخر تک۔

ب---بحر رمل، اس بحر کو کہا جاتا ہے جس کا بنیادی رکن فَاعِلَاتُنْ ہو۔ یہ رکن اگر پورے شعر میں آٹھ دفعہ آئے تو اس کو رمل مثمن کہا جاتا ہے۔

ج--- ارکان، ان اوزان کے مفردات کو کہا جاتا ہے جو بحر کا تعین کرتے ہیں، مثلاً فَاعِلَاتُنْ یا فَعُوْلُنْ یا مَفَاعِیْلُنْ۔ ان میں سے ہر ایک، ایک رکن ہے۔

د---بحر رمل میں اگر فَاعِلَاتُنْ پورا آئے تو اسے رکن سالم کہا جاتا ہے۔ اس کے سات حروف ہوتے ہیں جن میں تین، یعنی دوسرا، پانچواں اور ساتواں حرف ساکن؛ جبکہ باقی چار متحرک ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ھ---اگر فَاعِلَاتُنْ کے حروف میں کہیں کمی بیشی ہوجائے تو اس کی بہت سی صورتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ فَاعِلَاتُنْ کے دوسرے ساکن، یعنی الف اور ساتویں ساکن، یعنی نون دونوں کو حذف کردیا جائے اور نون سے پہلے ''تا'' کو متحرک برقرار رکھا جائے۔ اس طرح فَاعِلَاتُنْ کی جگہ فَعِلَاتُ باقی رہ جاتا ہے۔ ایسے رکن کو مشکول کہا جاتا ہے۔ اس کے پانچ حروف ہوتے ہیں، جن میں سے صرف ایک ساکن ہوتا ہے یعنی چوتھا، باقی تین متحرک ہوتے ہیں۔

و---یہ دونوں مل کر آدھا مصرعہ بناتے ہیں جس کے حروف ملفوظہ کی تعداد ۱۲ ہوتی ہے۔ پانچ فَعِلَاتُ کے اور سات فَاعِلَاتُنْ کے۔ پورے مصرعہ میں ۲۴ حروف ملفوظہ ہوتے ہیں۔

ز---تقطیع کے دوران لفظ کے آخر میں آنے والی ہائے ساکن، اسی طرح وہ حروف علت جو ساکن ہوں اور اس ''ہا'' اور حروف علت کے مقابلے میں وزن کے اندر کوئی حرف نہ ہو، حذف ہو جاتے ہیں۔ (یہ نہیں کہ جہاں سے چاہا ان حروف کو حذف کردیا۔)

ح---نون غنہ وزن میں شمار نہیں کیا جاتا۔

ط---اگر دو حرف ساکن رکن کے اندر جمع ہو جائیں تو ان میں سے دوسرا متحرک شمار ہوتا ہے۔ جیسے ''تاج والے'' کا وزن فَاعِلَاتُنْ ہوگا کیونکہ الف اور جیم دو ساکن یکجا ہوگئے ہیں اور اس صورت میں دوسرا ساکن متحرک سمجھا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے شعر میں ''بھیک'' کا ''ک'' ''مانگنے'' کا ''گ'' ''آستاں'' کا ''س'' اور ''حمد'' کی ''د'' اسی نوع سے ہیں۔

ی---مستزاد میں جو زائد ٹکڑا لگایا جاتا ہے وہ اسی مصرعہ کے رکن اول اور رکن آخر کے مساوی ہوتا ہے۔

ک---ہم جس بحر میں گفتگو کر رہے ہیں اس کا رکن اول فَعِلَاتُ ہے اور رکن آخر فَاعِلَاتُنْ اس لئے زائد ٹکڑا فَعِلَاتُ فَاعِلَاتُنْ کے مساوی ہوگا اور اس کے حروف ملفوظہ کی تعداد بھی ۱۲ ہوگی۔

(مصنف نے دو ارکان کے مجموعہ کو ایک رکن بنا دیا ہے۔)

ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھیے اور پھر درج ذیل تقطیع ملاحظہ فرمائیے!

[بحر رمل، مثمن، رکن اوّل مشکول، دوم سالم۔ ہر مصرعہ کا وزن فَعِلَاتُ فَاعِلَاتُنْ، فَعِلَاتُ فَاعِلَاتُنْ.
پورے مصرعہ میں حروف کی تعداد ۲۴/اور آدھے مصرعہ میں ۱۲۔]

| شعر کے حصے | حروف موجودہ وملفوظ کا تعین | آدھے مصرعہ کا وزن: فَعِلَاتُ | آدھے مصرعہ کا وزن: فَاعِلَاتُنْ | حروف موجودہ وملفوظ کی تعداد | تقطیع اور وزن میں حذف ہو جانے والے حروف کی نشاندہی |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| پہلے مصرعہ کا نصف اوّل | حروف موجودہ | وہی رب ہے | جس نے تجھ کو | ۱۵ | ''وہی'' ''ہے'' اور ''نے'' تینوں سے یا حذف ہو جائے گی۔ |
| | حروف ملفوظ | وُ وِرَبْ ہَ | جس نِ تجھ کو | ۱۲ | |
| پہلے مصرعہ کا نصف دوم | حروف موجودہ | ہمہ تن کَ | ـــــرَم بنایا | ۱۳ | ''ہمہ'' کی دوسری ''ہا'' حذف ہو جائے گی۔ |
| | حروف ملفوظ | ہَمَ تَنْ کَ | رَم بنایا | ۱۲ | |
| دوسرے مصرعہ کا نصف اوّل | حروف موجودہ | ہمیں بھیک | مانگنے کو | ۱۵ | ''ہمیں'' کی ''یا'' اور نون غنہ اور ''مانگنے'' کا نون غنہ شمار نہیں ہوں گے۔ |
| | حروف ملفوظ | ہَمِ بھیک | ماگنے کو | ۱۲ | |
| دوسرے مصرعہ کا نصف دوم | حروف موجودہ | ترا آســ | ـــتاں بنایا | ۱۴ | ''ترا'' کا الف اور ''آستاں'' کا نون غنہ شمار نہیں ہوں گے۔ |
| | حروف ملفوظ | تِرَ آ س | تا بنایا | ۱۲ | |
| وہ ٹکڑا جو زیادہ کیا گیا ہے | حروف موجودہ | تجھے حمد | ہے خدایا | ۱۳ | ''تجھے'' کی ''یا'' حذف ہو جائے گی۔ |
| | حروف ملفوظ | تُجھِ حمد | ہے خدایا | ۱۲ | |

اس تقطیع سے واضح ہے کہ ہر مصرعہ ۲۴ حروف ملفوظ پر مشتمل ہے اور نصف مصرعہ ۱۲ حروف ملفوظ پر۔ جو ٹکڑا زیادہ کیا گیا ہے وہ دو ارکان کے ساتھ وزن میں مساوی ہے اور آدھے مصرعہ کے برابر ہے اس لئے اس میں بھی ۱۲ حروف ملفوظ پائے جاتے ہیں۔

یہ نعت از اول تا آخر اسی وزن اور نہج پر چلتی ہے اور علم عروض کے اعتبار سے ایک بے نظیر و بے مثال شہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔

آخر میں گزارش ہے کہ اگر کسی فاضل کو میری تقطیع وتوضیح سے اختلاف ہو تو وہ واضح فرمائیں کہ ان کے نزدیک یہ نعت کس بحر میں ہے اور اس کا وزن کیا ہے؟ ویسے اختلاف شاید ممکن نہ ہو کیونکہ یہ نعت بعینہٖ اس بحر اور وزن میں ہے جس میں حافظ شیرازی کی یہ غزل ہے۔

بملا زمانِ سلطاں، کہ رساندایں دعارا

کہ بشکرِ پادشاہی ، زنظر مراں گدارا

اوراساتذۂ علم عروض کے نزدیک اس غزل کا وہی وزن ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ علامہ غیاث الدین ''منہاج العروض'' کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''رمل مثمن، یک رکن مشکول و یک سالم علی الترتیب۔ از حافظؒ

بملا زمانِ سلطاں، کہ رساندایں دعارا

کہ بشکر پادشاہی ، زنظر مراں گدارا

فَعِلاَتُ فَاعِلاَ تُنْ فَعِلاَتُ فَاعِلاَ تُن''

غیاث اللغات (فارسی) فصل عین مہملہ مع را مہملہ، زیر مادۂ ''عروض'' ص ۳۳۸۔

میرے خیال میں اس کے بعد کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی۔

۞۞۞

علم عروض کے حوالے سے تو اس کی وہی تقطیع ہے جو بیان ہوئی ہے؛ البتہ جو قارئین ادبی ذوق تو رکھتے ہوں مگر اوزان و بحور کو اصطلاحی طور پر نہ جانتے ہوں ان کے لئے ایک اور تقطیع پیشِ خدمت ہے جس کا فن عروض سے تو کوئی تعلق نہیں مگر اس سے وزن سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک رکن بحر کامل سے لیں یعنی مُتَفَاعِلُنْ اور ایک رکن بحر متقارب سے لیں یعنی فَعُوْلُنْ اور ان دونوں کو ملا کہ مُتَفَاعِلُنْ فَعُوْلُنْ کہیں۔ یہ مُتَفَاعِلُنْ فَعُوْلُنْ حروف کی تعداد اور حرکات وسکنات کا اعتبار سے مساوی ہے فَعِلاَتُ فَاعِلاَ تُنْ کے ساتھ۔ ملاحظہ فرمایئے!

| | | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فَ | عِ | لَ | اُ | تُ | فَ | اُ | عِ | لَ | اُ | تُ | نْ |
| مُ | تَ | فَ | اُ | عِ | لُ | نْ | فَ | عُ | وُ | لُ | نْ |

آپ دیکھ رہے ہیں کہ دونوں میں بارہ حروف ہیں جن میں چوتھا، ساتواں، دسواں، اور

Marfat.com

بارہواں ساکن ہیں، باقی سب متحرک ہیں۔اس کے مطابق تقطیع یوں ہوگی۔

| آدھا مصرعہ | | | |
|---|---|---|---|
| مُتَفَا | عِلُنْ | فَعُوْ | لُنْ |
| وُہِ رَبْ | ہَ جس | نِ تُجھ | کو |
| ہَم تَنْ | گَرَم | بنا | یا |
| ہَم بھی | کَ مَا | گنے | کو |
| تِرَ آ | ستا | بتا | یا |
| تجھے حم | دہے | خدا | یا |

اس تقطیع کا اگرچہ علم عروض سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ عروض والوں کے ہاں مُتَفَاعِلُنْ فَعُوْلُنْ کی ترکیب سے کوئی بحر نہیں بنتا؛ تاہم عام قارئین اور نعت خوان حضرات اس طرح نعت مستزاد کا وزن بآسانی سمجھ سکتے ہیں اور ترنم سے پڑھ کر لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

# مبارک باد

سب سے چھوٹی بیٹی عائشہ دائم نے جب چوتھی کلاس میں فسٹ پوزیشن حاصل کی اور انہی دنوں ناظرہ ختم قرآن کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئی تو اس کی فرمائش پر یہ نظم لکھی گئی۔ دائم

عائشہ اچھی بچی ہے بھولی بھالی سچی ہے
شوق ہے اس کو پڑھنے کا سب سے آگے بڑھنے کا
کرتی ہے یوں یاد سبق سن کر ہی استاد سبق
ہوتے ہیں بشاش بہت دیتے ہیں شاباش بہت
جب بھی ہوتا ہے اگزام لے کر آتی ہے انعام
کپ جب اس کو ملتا ہے چہرہ خوشی سے کھلتا ہے
خوش خوش دوڑتی آتی ہے سب کو کپ دکھلاتی ہے
اس دن گھر کے سب افراد بے حد ہوتے ہیں دلشاد
امی ، ابو ، پھوپی جان بہنیں ، بھائی ، بھابی جان
کرتے ہیں سب پیار اُسے پہناتے ہیں ہار اُسے
پھر ہوا اللہ کا احسان پڑھ لیا اُس نے پورا قرآن
پھوپھی جان پڑھاتی تھیں جوڑ رواں سکھلاتی تھیں
ختم کیا قرآن تھا جب آئے رشتہ دار تھے سب

Marfat.com

عمدہ جوڑے لائے تھے ہار بھی لے کر آئے تھے
کپڑے اس نے پہنے جب ڈالے گلے میں گہنے جب
بہت ہی دلکش لگتی تھی حد سے زیادہ سجتی تھی
پھر انعامِ الٰہی ہوا ختم کلامِ الٰہی ہوا
پیسے نچھاور سب نے کئے نوٹ کرارے اس کو دیئے
جب تقریب یہ تام ہوئی اس دن دعوتِ عام ہوئی
سب ہی مزے سے کھانے لگے مرغ پلاؤ اُڑانے لگے
اللہ اُن کو شاد رکھے اُن کے گھر آباد رکھے
عائشہ کی ہو عمر طویل اور نگہباں ربِّ جلیل

ختم بھی اس کو مبارک ہو
نظم بھی اس کو مبارک ہو

Marfat.com

# ایک استفتاء
# اور اس کا
# پسِ منظر

قارئینِ کرام! عربی حروف میں **ض** ایک ایسا حرف ہے جس کا تلفظ انتہائی مشکل ہے اور اہل زبان کے سوا کوئی بھی شخص اس کو بآسانی صحیح طور پر ادا نہیں کرسکتا۔ اسی لئے علماء تجوید نے متفقہ طور پر اس کے مخرج کو اَعْسَرُ الْمَخَارِجُ یعنی مشکل ترین مخرج قرار دیا ہے۔ یہی وجہ یہ ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی یہ الجھن موجود ہے کہ اس کی آواز **د** سے مشابہ ہونی چاہئے یا **ظ** سے۔ اگرچہ اس کا اپنا مخرج **د** اور **ظ** دونوں سے جدا اور مختلف ہے مگر ماہرین فن تجوید جب اس کو ادا کرتے ہیں تو اس کی آواز انہی دو حرفوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملتی جلتی سنائی دیتی ہے۔ جو لوگ حرمین شریفین میں حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہاں کے بیشتر ائمہ **ض** کو **د** سے مشابہ پڑھتے ہیں۔ اسی طرح مصر اور دیگر ممالک جن میں عربی بولی جاتی ہے، ان کے قاریوں کا تلفظ بھی **د** کے قریب تر ہے۔ لیکن عجم؛ بالخصوص پاک و ہند کے بعض مجوّدین اس کو **ظ** سے مشابہ ادا کرتے ہیں اور اسی کو درست سمجھتے ہیں۔

آج سے تقریباً تیس سال پہلے مجھ سے چند طلباء درس نظامی کی کچھ کتابیں پڑھا کرتے تھے

Marfat.com

جن میں حبیب اللہ نعمانی اور سمیع اللہ نہایت ذہین طلباء میں شمار ہوتے تھے اور میرے ساتھ بھرپور علمی مباحثے کیا کرتے تھے۔ انہی دنوں ایک مرتبہ **ض** کا مسئلہ چل نکلا۔ نعمانی صاحب اور ان کے ہمنوا طلباء **ض** کو **ظ** کے مشابہ قرار دیتے تھے اور اس پر دلائل پیش کرتے تھے؛ جبکہ میں اس کا تلفظ **د** کے قریب تر سمجھتا تھا اور اس کی وجہ یہ بیان کرتا تھا کہ عرب قاریوں کی اکثریت چونکہ اس کو **د** کے مشابہ پڑھتی ہے اس لئے یہی درست ہے کیونکہ کسی بھی حرف کا صحیح تلفظ وہی ہوتا ہے جو اہل زبان کے ہاں مروج ہو۔ ظاہر ہے انگریزی حرفوں کی صحیح آواز وہی ہوگی جو ان حروف کو بولتے وقت انگریز منہ سے نکالتے ہیں۔ اسی طرح چینی، جاپانی، اردو، فارسی اور پشتو وغیرہ زبانوں کے حروف کے وہی مخارج درست ہوں گے جن سے اہل زبان ان حروف کو ادا کرتے ہیں، نہ کہ خود ساختہ مخارج۔ اس کے جواب میں نعمانی صاحب کا موقف یہ ہوتا تھا کہ کسی عربی یا عجمی قاری کا تلفظ سند نہیں ہے؛ بلکہ دارومدار قواعد پر ہے اور تجوید کے قواعد کے مطابق **ض** اور **ظ** میں زیادہ صفات مشترک ہیں؛ جبکہ **ض** اور **د** میں بہت کم صفات کا اشتراک پایا جاتا ہے۔ اس لئے **ض** کو اسی حرف سے مشابہ ادا کرنا چاہئے جس کے ساتھ اس کی زیادہ تر صفات مشترک ہیں یعنی **ظ** کے ساتھ؛ جبکہ میں یہ کہتا تھا کہ زیادہ صفات کے اشتراک سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کی آواز بھی آپس میں مشابہ ہو، اور اس کی متعدد مثالیں پیش کر دیتا تھا، جن کا نعمانی صاحب کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔ آخر میں نے نعمانی صاحب اور ان کے ہمنوا طلباء کے اطمینان قلب کے لئے ان کو ایک استفتاء مرتب کر کے دیا کہ اس کو اپنی طرف سے ان قاریوں کی طرف بھیجیں جو **ض** کو **ظ** سے مشابہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ اگر انہوں نے کوئی معقول جواب دے دیا تو میں آپ کے ساتھ متفق ہو جاؤں گا۔

نعمانی صاحب نے وہ استفتاء متعدد تجوید سکھانے والے مدارس کو بھیجا مگر وہاں سے جو جوابات آئے ان سے خود نعمانی صاحب ہی مطمئن نہ ہو سکے تو میں کس طرح اتفاق کر سکتا تھا---!

Marfat.com

آخر نعمانی صاحب نے ازخود میرے اشکالات کو ملحوظ رکھ کر ایک جواب لکھا اور یقین جانئے کہ ان کا جواب مختلف مدارس سے آنے والے جوابات سے بدرجہا بہتر تھا۔ اس لئے میں نے ان کو بھرپور داد دی اور ان کی ذہانت کو سراہا؛ تاہم فنی لحاظ سے اس جواب میں بھی متعدد جھول اور کمزوریاں تھیں، اس لئے اس کے ساتھ متفق ہونا بھی ممکن نہیں تھا۔

طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ہنوز یہ استفتاء جواب طلب ہے۔ اس کتاب میں اس کو اسی لئے شامل کیا جارہا ہے کہ اگر کوئی صاحب علم، فن تجوید کے حوالے سے اس کا اطمینان بخش جواب دے سکیں تو ہم ان کے نہایت شکر گزار ہوں گے۔

واضح رہے کہ پاک و ہند میں اس مسئلے کو فرقہ وارانہ رنگ دے دیا گیا ہے اور عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بریلوی حضرات **ض** کو **د** کے مشابہ پڑھتے ہیں؛ جبکہ دیوبندی حضرات اس کو **ظ** سے ہم آہنگ ادا کرتے ہیں۔ متعدد مقامات پر اس وجہ سے تنازعات بھی ہو چکے ہیں، حالانکہ یہ محض مغالطہ ہے کیونکہ شیخ عبدالرحمٰن سدیس، شیخ علی ابن عبدالرحمٰن حذیفی اور دیگر بہت سے عرب قراء اور مجوِدین بھی اس کو **د** سے مشابہ پڑھتے ہیں حالانکہ ان کا بریلویت سے دور دراز کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح علماء دیوبند کے اکابر میں سے مولانا رشید احمد گنگوہی بھی اس کو **د** کے قریب تر قرار دیتے ہیں اور دارالعلوم دیوبند کے متعدد علماء ان کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک سائل نے مولینا سے پوچھا کہ ---"قرآن شریف میں "زوآذ" کا پڑھنا صحیح ہے یا "دوآذ" پڑھنا چاہئے۔"

ظاہر ہے کہ "زوآذ" یا "دوآذ" نام کا کوئی حرف سرے سے پایا ہی نہیں جاتا اس لئے مولینا نے وضاحت کی کہ ---"اصل حرف ضاد ہے۔ اس کو اصلی مخرج سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگر نہ ہو سکے تو بحالت معذوری دالِ پُر (یعنی موٹی دال) کی صورت سے نماز ہو جاوے گی۔"

اگر مولینا گنگوہی **ض** کو **ظ** کے قریب سمجھتے تو "زاءِ پُر" یعنی موٹی "ز" کی صورت میں صحت نماز کا فتوی دیتے، یا یوں کہتے کہ بحالت مجبوری "زاءِ پُر" پڑھے یا "دالِ پُر" دونوں صورتوں میں

Marfat.com

نماز ہو جائے گی جبکہ انہوں نے ''زاءِ پُر'' کو سرے سے قابل التفات نہیں سمجھا اور ''دالِ پُر'' پر نماز صحیح ہونے کا فتوٰی دیا جس سے واضح ہے کہ مولینا گنگوہی اور ان کے فتوٰی کی تصدیق کرنے والے علماء ض کو د کے قریب تر سمجھتے ہیں، نہ کہ ظ کے۔

(اگلے صفحہ پر ''فتاوٰی رشیدیہ'' سے اس فتوٰی کا عکس پیش خدمت ہے۔)

اب آپ ہی بتایئے قارئین کرام کہ کیا مولینا گنگوہی اور ان کے مصدقین علماء بریلوی تھے---!؟

براہو اس فرقہ وارانہ ذہنیت کا، جس کے علمبردار چھوٹے چھوٹے اختلافات کو اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ معاملہ ہاتھا پائی اور سر پھٹول تک جا پہنچتا ہے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ آپ بھی اس استفتاء کا مطالعہ فرقہ وارانہ تعصب کے پس منظر میں نہ کریں؛ بلکہ خالص علمی، فنی اور تحقیقی حوالے سے اس کا جائزہ لیں اور اگر کوئی خامی محسوس کریں تو ہمیں آگاہ کریں۔ شکریہ!

میں تو اس استفتاء کو بھول بھال چکا تھا؛ البتہ نعمانی صاحب نے تیس سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود اب تک اسے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ ہم انہی کے تعاون اور شکریے کے ساتھ اس کو پیش کر رہے ہیں۔

عام قارئین تو شاید اسے پوری طرح نہ سمجھ سکیں؛ البتہ فن تجوید سے آگاہ حضرات اس سے بھر پور لطف اور حظ اُٹھا سکتے ہیں۔ دائم

Marfat.com

# فتاویٰ رشیدیہ (کامل) مطبوعہ ایجوکیشن پریس، پاکستان چوک، کراچی، کے ص ۳۲۱ پر موجود فتویٰ کا عکس

## حرف ضاد ادا کرنے کا طریقہ

سوال:- چند اشخاص حرف (ض) (دوآد) قرآن شریف میں پڑھنے سے اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم قرآن شریف میں (دوآد) پڑھتے ہو تو عربی لفظ جو زبان اردو میں بولتے ہو وضو کو (ددو) کیوں نہیں کہتے اور ضیاء الدین کو (دیاءالدین) کیوں نہیں کہتے یہ بھی تو عربی لفظ ہیں تو قرآن شریف میں (زواد) کا پڑھنا صحیح ہے یا (دوآد) پڑھنا چاہیئے۔ زیادہ والسلام راقم احقر العباد حمایت اللہ ساکن شمس پور ضلع ایٹہ پرگنہ پٹیالی معرفت جناب عبدالعلیم خاں صاحب ...کالی۔ فقط

جواب:- اصل حرف ضاد ہے اس کو اصل مخرج سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگر نہ ہو سکے تو ...ت مشابہ کی دال پُر کی صورت سے بھی نماز ہو جاوے گی فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ رشید احمد ...عفی عنہ۔

صحیح بندہ عزیز الرحمن عفی عنہ — الجواب صحیح خلیل احمد، مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور — صحیح عنایت الٰہی عفی عنہ، مدرس مدرسہ سہارنپور

[مہر: ...توکل علی ... عزیز الرحمن]

صحیح بندہ محمود عفی عنہ، مدرس اول مدرسہ دیوبند — الجواب صحیح غلام رسول عفی عنہ، مدرس مدرسہ دیوبند — الجواب صحیح احقر الزمان گل محمد خان، مدرس مدرسہ دیوبند

صحیح اشرف علی عفی عنہ۔

[مہر: از گردہ دنیا اشرف علی ۱۳۰۰ھ]

Marfat.com

# استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء قراۃ وتجوید اس مسئلہ میں کہ

زید نے عمر سے پوچھا کہ **ض** کو جب اپنے مخرج سے تمام صفات کو ملحوظ رکھ کر ادا کیا جائے تو اس کی آواز **ظ** سے مشابہ ہوگی یا **د** سے؟

عمر نے جواب دیا کہ جب **ض** کو اپنے مخرج سے تمام صفات کو ملحوظ رکھ کر ادا کیا جائے تو اس کی آواز یقیناً **ظ** کے ساتھ مشابہ ہوگی، **د** کے ساتھ ہرگز نہیں ہوگی۔ اس پر اس نے دلیل یہ پیش کی کہ چونکہ **ض** بغیر وصفِ استطالت کے **ظ** کے ساتھ تمام صفات میں شریک ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ ''جو حرف کسی حرف کے ساتھ جتنی زیادہ صفتوں میں شریک ہوگا، اتنا ہی وہ اس حرف کے زیادہ مشابہ ہوگا'' (سبیل الرشاد، ص ۱۸) اس لئے **ض**، **ظ** سے مشابہ ہوگا۔

اور چونکہ **ض** سوائے صفتِ اصمات اور جہر کے کسی بھی صفت میں **د** کے ساتھ شریک نہیں ---''لہٰذا صفات کے اس اختلاف کی وجہ سے ان دونوں کی آوازیں ایک دوسرے سے مختلف اور متبائن ہوں گی'' (سبیل الرشاد، ص ۲۰) اس لئے **ض**، **د** کے مشابہ نہیں ہوگا۔

زید نے کہا یہ دونوں ضابطے --- پہلا یہ کہ جتنی زیادہ صفتوں میں اشتراک ہوگا اتنا ہی تشابہ زیادہ ہوگا، اور دوسرا یہ کہ جتنا صفات میں اختلاف ہوگا اتنا ہی دو حرفوں کی آواز میں اختلاف ہوگا، صفاتِ حروف کو مدنظر رکھنے کے بعد صحیح نہیں معلوم ہوتے۔

پہلے ضابطے پر یہ اعتراض ہے کہ بہت سے ایسے حروف ہیں جو صفات میں شریک ہیں لیکن ان کی آوازوں میں مشابہت نہیں ہے۔

Marfat.com

## مثلاً

ک---مہموسہ، شدیدہ، مستفلہ، منفتحہ، مصمتہ ہے

## اور

ت---مہموسہ، شدیدہ، مستفلہ، منفتحہ، مصمتہ ہے۔

کیا صفات کے اشتراک کی وجہ سے ک اور ت میں کوئی مشابہت ہے؟

## اسی طرح

ح---مہموسہ، رخوہ، مستفلہ، منفتحہ، مصمتہ ہے

## اور

ث---مہموسہ رخوہ، مستفلہ، منفتحہ، مصمتہ ہے۔

کیا ان میں کوئی صوتی ہم آہنگی پائی جاتی ہے؟

## یونھی

ج---شدیدہ، مجہورہ، مستفلہ، منفتحہ، مصمتہ، مقلقلہ ہے۔

## اور

د---شدیدہ، مجہورہ، مستفلہ، منفتحہ، مصمتہ، مقلقلہ ہے۔

چھ صفات میں اشتراک کے باوجود صوتی تشابہ مفقود ہے۔

ض اور ظ میں تو پھر بھی استطالت کا فرق ہے؛ جبکہ مندرجہ بالا حروف تمام صفات ذاتیہ میں مشابہ ہیں، اس کے باوجود ان میں قطعاً صوتی تشابہ نہیں ہے۔ معلوم ہوا، یہ ضابطہ کہ ''جتنی زیادہ صفتوں میں اشتراک ہوگا، اتنا ہی تشابہ زیادہ ہوگا'' صحیح نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ درج بالا حروف میں اگرچہ صفاتی اشتراک ہے لیکن مخارج جدا جدا ہیں اس

لئے صوتی تشابہ پیدا نہیں ہوتا، تو عرض یہ ہے کہ مخرج تو ض اور ظ کا بھی جدا ہے--- کہاں حافۂ لسان اور اضراس علیا اور کہاں زبان کی نوک اور ثنایا علیا کا سرا---!!؟

دوسرے ضابطے یعنی ''جتنا صفات میں اختلاف ہوگا، اتنا ہی صوتی تشابہ کم ہوگا'' پر یہ اعتراض ہے کہ چند حروف صفات میں اختلاف کے باوجود صوتی مشابہت رکھتے ہیں۔

## مثلاً

ط---شدیدہ، مصمتہ، مجہورہ، مستعلیہ، مطبقہ، مقلقلہ ہے

## اور

ت---شدیدہ، مصمتہ، مہموسہ، مستفلہ، منفتحہ، غیر مقلقلہ ہے۔

یہ دونوں سوائے وصف شدت اور اصمات کے تمام صفات میں مختلف ہیں، اس کے باوجود ان میں صوتی تشابہ موجود ہے، اس لئے دوسرا ضابطہ بھی صحیح نہ ہوا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان میں تشابہ اتحادِ مخرج کی وجہ سے ہے، تو عرض یہ ہے کہ اسی مخرج سے د بھی ادا ہوتی ہے لیکن اس کا صوتی تشابہ دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں ہے، باوجودیکہ وہ چار صفات--- جہر، شدت، اصمات اور قلقلہ میں ط کے ساتھ اور چار صفات--- شدت، استفال، انفتاح اور اصمات میں ت کے ساتھ مشابہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ عمر کا جواب صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو زید کے اعتراضات کا کیا جواب ہے؟

زید کے اشکالات کا مسکت اور مفصل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

بینوا بالتفصیل، تستحقوا الاجر الجزیل، عندالملک الجلیل

Marfat.com

# درزی کی اذان

(یہ مضمون اور اس کے بعد والے تین مضامین ماھنامہ جامِ عرفاں کے مختلف شماروں میں عمِ مکرم حضرت قاضی شمس الدین صاحبِ مرحوم و مغفور کے نام سے شائع ہوئے تھے اور درحقیقت ان کے لئے مواد اور حوالہ جات انھوں نے ھی مھیّا کئے تھے ؛البتہ تحریر و ترتیب چونکہ میری تھی اسلئے یہ مضامین اس مجموعے میں شامل کر دیئے گئے ھیں۔ دانمؔ)

خلیفہ معتضد باللہ عباسی متوفی ۲۹۰ھ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ بغداد کے ایک تاجر سے کسی بڑے رئیس نے رقم قرض لی۔لیکن جب ادائیگی کا وقت آیا تو اس نے ٹال مٹول شروع کر دی اور آخر میں رقم دینے سے صاف انکاری ہوگیا۔تاجر جب بھی اپنی رقم کا مطالبہ کرنے جاتا،رئیس کے ملازم اس کو دھکے دے کر باہر نکال دیتے۔رقم چونکہ کافی تھی اس لئے تاجر بہت پریشان تھا۔پولیس کے بڑے افسر سے بات کی تو اس نے بھی معذرت کر دی۔پھر وزیر سے ملا۔اس نے بھی بہانہ کر دیا کہ اتنے بڑے آدمی کا ہم کیا کر سکتے ہیں۔رقم بہت زیادہ تھی،نہ تاجر معاف کر سکتا تھا،نہ ہی ملنے کی کوئی امید تھی۔اس لئے اپنے اس صدمے کو ہر شخص کے سامنے بیان کرتا رہتا تھا۔

تاجر کا بیان ہے کہ ایک دن ایک آدمی کے سامنے جب میں نے اپنا رونا رویا تو اس نے مجھ سے کہا کہ تم فلاں درزی کے پاس کیوں نہیں جاتے؟ وہ تم کو رقم فوراً دلا دے گا۔میں نے کہا کہ جب بڑے بڑے اُمراء نے معذوری ظاہر کر دی ہے تو وہ درزی بے چارہ کیا کر سکے گا؟ مگر اس شخص نے کہا

Marfat.com

کہ تم درزی سے ایک دفعہ مل کر تو دیکھو۔ چنانچہ میں اس درزی کے پاس گیا اور اس کو مقصد بتایا۔

اس نے کہا کہ ٹھہرو، میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ ہم دونوں اس رئیس کے پاس گئے۔ اس نے درزی کو دیکھتے ہی ہمارا بڑا اکرام کیا۔ درزی نے بڑی بے پرواہی سے اس کو کہا کہ اس شخص کے جتنے روپے تمہارے ذمے ہیں، وہ اسے دے دو، ورنہ میں اذان کہتا ہوں۔

رئیس نے فوراً کہا "خدا کے لئے اذان نہ دینا۔ میں رقم ابھی دیتا ہوں۔"

چنانچہ اس نے رقم میرے حوالے کر دی اور ہم واپس آ گئے۔ اب راستے میں میں نے اس درزی سے کہا کہ جناب! میری رقم تو ڈوب ہی چکی تھی، آپ کے ذریعے واپس ملی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس رقم میں سے کچھ آپ بھی قبول کر لیں، مجھے بہت خوشی ہوگی۔

درزی بولا کہ تم کیا سمجھتے ہو! اگر میں روپیہ لینے لگوں تو لکھ پتی نہ بن جاؤں۔

پھر میں نے پوچھا کہ آپ کی اس بات کا کیا مطلب تھا کہ "اس شخص کے روپے دے دو، ورنہ میں اذان کہتا ہوں۔"

درزی بابا نے پہلے تو ٹالنے کی کوشش کی، لیکن میرے اصرار پر اس نے عجیب واقعہ سنایا۔

اس نے بتایا کہ جس جگہ میری دکان ہے، اس کے سامنے زنانہ حمام ہے۔ حمام کے پڑوس میں ایک ترکی جرنیل کا مکان تھا، جو کبھی کبھی گھر آتا تھا۔ ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ اس جرنیل نے شراب پی لی اور نشہ میں بدمست ہو کر گھر سے باہر نکل آیا۔ اتفاق سے اسی وقت ایک عورت جو کسی رئیس گھرانے کی تھی اور قیمتی زیورات و لباس میں ملبوس تھی، حمام سے باہر نکلی تو اس ترکی جرنیل نے اس کو پکڑ لیا اور گھر لے جانے لگا۔

اس عورت نے شور کیا کہ مسلمان بھائیو! مجھے بچاؤ، ایک تو میری عصمت برباد ہو جائے گی۔ دوسرے، میرے خاوند نے قسم کھا رکھی ہے کہ اگر میں رات کو گھر سے باہر رہی تو میں تین طلاق سے مطلقہ ہو جاؤں گی۔

Marfat.com

اور تو کوئی آگے نہ بڑھا۔ میں نے ہمت کی اور جرنیل سے کہا کہ یہ کیا کرتے ہو؟ چھوڑو اس عورت کو۔

اس جرنیل کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے تو عورت کو قابو کیا اور دوسرے ہاتھ سے ڈنڈا میرے سر پر دے مارا۔ میرا سر پھٹ گیا اور وہ چیختی چلاتی عورت کو گھر کے اندر لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

مجھے اس ناکامی پر سخت غصہ تھا۔ عشاء کی نماز کے وقت میں مسجد میں گیا اور نماز کے بعد نمازیوں کے سامنے یہ صورت حال رکھی تو سب نے بالاتفاق کہا کہ ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں اور اس جرنیل کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ ہم سب نے جا کر اس کے مکان کو گھیر لیا۔ لیکن وہ اپنے بہت سے نوکر چاکر لے کر باہر نکلا، جن کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے اور ہماری پٹائی شروع کر دی آخر ہم بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ سب سے زیادہ مار مجھے پڑی۔ بدن لہولہان ہو گیا۔

ہوش میں آنے پر میں لنگڑاتا، لڑکھڑاتا گھر پہنچا۔ اس ہنگامے میں چولہا بھی گرم نہ کر سکا تھا۔ غصہ بھی تھا کہ مشن ناکام کیوں ہو گیا۔ زخم بھی درد کرتے تھے، بھوک بھی تھی اور سب سے زیادہ یہ کہ اس عورت کی آواز کانوں میں گونج رہی تھی "مسلمان بھائیو! مجھے بچاؤ۔"

جب کوئی صورت سمجھ نہ آئی اور مایوسی طاری ہونے لگی تو خدا تعالیٰ کی غیرت کو جوش آ گیا اور اس نے از غیب ایک سبب بنا دیا۔

وہ یہ کہ میرے دل میں آیا کہ کیوں نہ صبح کی اذان کہہ دوں۔ جرنیل سمجھے گا کہ صبح طلوع ہو گئی ہے اور اس عورت کو گھر سے نکال دے گا۔ چنانچہ میں نے چھت پر چڑھ کر اذان کہی اور اذان کے بعد اس جرنیل کے دروازے کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا کہ اب وہ عورت باہر نکلتی ہے اور اب نکلتی ہے۔ اسی خیال میں محو تھا کہ مکان کے نیچے بہت سے سواروں اور پیادوں کی آوازیں آنے لگیں کہ اذان کس نے کہی ہے؟ میں خوش ہوا کہ شاید میری نصرت کے لئے یہ لوگ آئے ہیں۔ میں نے زور سے کہا کہ

Marfat.com

اذان میں نے کہی ہے۔انہوں نے کہا کہ نیچے اترو۔میں نیچے اترا تو انہوں نے مجھے گرفتار کرلیا اور کہا کہ چلو امیر المؤمنین کے پاس۔

ہوا یوں کہ اس رات خلیفہ معتضد کسی ضرورت سے مکان کی چھت پر چڑھا اور میری اذان سن لی۔اس نے اسی وقت پولیس کو حکم دیا کہ اس اذان دینے والے کو فوراً گرفتار کر کے لاؤ۔

چنانچہ وہ مجھے دربار میں لے گئے۔دل میں سو سو طرح کے اندیشے آ رہے تھے کہ جرنیل نے تو پٹائی ہی کی تھی،اب نہ جانے بادشاہ کیا حشر کرے گا؟ دربار دیکھ کر میں دہشت زدہ ہو گیا۔نیکی برباد، گناہ لازم۔

بادشاہ نے جلال سے پوچھا کہ اذان تم نے کہی ہے؟

مجھ پر اتنی دہشت طاری تھی کہ میری زبان ہی بند ہو گئی۔بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ خوفزدہ ہو گیا ہے۔چنانچہ اس نے میرے ساتھ نرم لہجہ میں باتیں شروع کر دیں اور کہا کہ دیکھو! ابھی تو آدھی رات بھی نہیں ہوئی اور صبح کی اذان کے ساتھ لوگوں کی مختلف ضرورتیں وابستہ ہوتی ہیں۔تہجد خواں تہجد پڑھنا ختم کرتے ہیں۔روزہ دار روزہ بند کرتے ہیں۔قافلے والے روانگی کی تیاری کر کے چل پڑتے ہیں۔ کاشتکار کسان کھیتوں میں جاتے ہیں۔تنوروں والے روٹیاں پکانا شروع کر دیتے ہیں۔تمہاری غلط وقت کی اذان سے کتنے لوگوں کو تکلیف ہو سکتی ہے۔

بادشاہ کے اس نرم لہجے سے مجھ میں بھی جواب دہی کی ہمت واپس آ گئی۔میں نے کہا کہ حضور! جان بخشی ہو تو پورا قصہ عرض کروں۔بادشاہ نے کہا کہ فکر مت کرو،قصہ بیان کرو۔چنانچہ میں نے پوری سرگذشت بادشاہ کے گوش گذار کر دی۔

قصہ سننا تھا کہ بادشاہ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور پولیس کے افسر اعلیٰ کو حکم دیا کہ اس جرنیل اور اس عورت کو فوراً میرے روبرو پیش کرو۔بادشاہ کے حکم پر پولیس گئی اور دونوں کو گرفتار کر کے لے آئی۔ بادشاہ نے اپنے لڑکے کو کہا کہ اس عورت کو اندر محل میں لے جاؤ اور گھر کی معزز خواتین کو اس کے ساتھ کرو، تم بھی ساتھ جاؤ اور اس کے شوہر کو میری طرف سے کہنا کہ اس عورت کے گھر سے غیر حاضر ہونے میں

Marfat.com

اس کا کوئی قصور نہیں۔تم اس پر خفا نہ ہونا۔چنانچہ وہ عورت اس عزت واکرام سے گھر پہنچ گئی۔

اب بادشاہ نے جرنیل سے پوچھا کہ تمہاری تنخواہ کتنی ہے؟اس نے بڑی تنخواہ بتائی۔پھر پوچھا کہ تمہاری جاگیر کتنی ہے؟اس نے جاگیر بھی معقول بتائی۔پھر بیویوں اور باندیوں کا پوچھا تو ان کی بھی بڑی تعداد اس نے بیان کی۔بادشاہ نے اس سے کہا کہ ظالم!اتنی تنخواہ،اتنی جاگیر،اتنی بیویاں اور باندیاں ہوتے ہوئے بھی تم نے اللہ اور رسول کے قانون کو توڑا؟بلاشبہ تم بڑے مجرم ہو اور سخت ترین سزا کے مستحق ہو۔

جرنیل نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا اور معافیاں مانگنے لگا مگر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو لے جا کر سنگسار کردو اور لاش دریائے دجلہ میں بہادو۔پھر پولیس کے افسر اعلیٰ کو کہا کہ اس کے مکان کی تلاشی لو اور جتنا بھی مال و دولت برآمد ہو وہ بیت المال میں داخل کردو۔

یہ احکام صادر کرنے کے بعد بھی کافی دیر تک بادشاہ بیٹھا رہا اور میں اندازہ کرتا رہا کہ اب بادشاہ کا غصہ کم ہو رہا ہے۔جب اس کی طبیعت مکمل بحال ہوگئی تو مجھے کہا کہ شاباش!اس ماں پر آفرین، جس نے تیرے جیسا بیٹا جنا ہے۔پھر شاہی باڈی گارڈ کو حکم دیا کہ آئندہ یہ درزی بابا جس وقت بھی آئے،میرے پاس پہنچا دیا کرو اور مجھے کہا کہ تم جب بھی کہیں کوئی ظلم یا ناانصافی کی بات دیکھو تو فوراً مجھے بتا دیا کرو،میں اس کا ازالہ کردوں گا۔پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ تمہیں میرے پاس آنے کی بھی ضرورت نہیں۔تم وہیں سے اذان دے دیا کرو،مجھے اطلاع ہو جائے گی۔

چونکہ بادشاہ کا یہ فرمان سب امراء نے سن لیا تھا اور شہر بھر کیا،پوری مملکت میں اس واقعہ کی شہرت ہوگئی تھی،اس لئے اس کے بعد مجھے کبھی اذان دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔جب کبھی میں کسی ظالم کے پاس کسی مظلوم کا حق دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ:-

''ادا کرو اس مظلوم کا حق،ورنہ میں اذان کہتا ہوں۔''

تو اسی وقت اس مظلوم کی دادرسی ہو جاتی ہے۔''تاریخ ابن کثیر ج ۱۱،حالات خلیفہ معتضد باللہ''

Marfat.com

# ان خاک نشینوں کی

# ٹھوکر میں زمانہ ہے!

(یہ عبرت ناک مگر دلچسپ قصہ میر سید فضل عظیم (مرحوم) نے سنایا
جو ایک ریٹائرڈ ایس پی افسر تھے اور فقیر کے انتہائی مخلص دوست)

۱۹۰۸ء کی بات ہے۔ میں اس وقت لکھنؤ پولیس میں کانسٹیبل تھا۔ انگریزوں کی حکومت خود مختار نیم شخصی حکومت تھی۔ اب تو سٹی انسپکٹر کی کوئی خاص عظمت نہیں، لیکن اس زمانہ میں سٹی انسپکٹر کو کوتوالِ شہر کہا جاتا تھا اور بڑے رتبے کا آدمی ہوتا تھا۔

لکھنؤ شہر کا کوتوالِ شہر ایک ہندو راجپوت ''رپودمن سنگھ'' نامی تھا۔ بڑے دبدبے اور ٹھاٹ کا افسر تھا۔ شہر بھر میں اس کا طوطی بولتا تھا۔ شام کو روزانہ رؤساء شہر کی اس کے گھر مجلس ہوتی تھی۔ گانا بھی ہوتا تھا اور شراب کا دور بھی چلتا تھا۔ اس مقبولیت کی وجہ سے اس کا دماغ ساتویں آسمان پر تھا اور اس کی رعونت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن اس کے پاس اس کے گاؤں کا کوئی آدمی آیا تو اس کو رپودمن سنگھ نے کہا کہ گاؤں میں میرے فلاں حریف کو میرا پیغام دینا کہ وہ لکھنؤ آئے اور رپودمن سنگھ کی ''خدائی'' دیکھ جائے۔ (معاذاللہ)

ایک دن صبح آٹھ بجے اس کی سواری شہر سے گذر رہی تھی۔ معمول کے مطابق شاطرِ (وہ پیادہ جو بگھی کے آگے کچھ فاصلہ پر دوڑتا جاتا تھا اور ''ہٹو بچو'' پکار پکار کر لوگوں کو راہ سے ہٹاتا تھا تاکہ بگھی رکے بغیر گذرتی چلی جائے) آگے آگے دوڑتا اور ہٹو بچو کی ہانک لگاتا چلا جا رہا تھا۔ جب بگھی امین آباد

چوک میں پہنچی تو ایک فقیرِ بے نیاز سڑک کے وسط میں کھڑا تھا۔اس نے شاطر کی ہٹو بچو کی بالکل پرواہ نہ کی اور راستے کے بیچ کھڑا رہا۔سائیس نے باگیں کھینچیں اور بگھی ایک جھٹکے سے رک گئی۔رپودمن سنگھ اندر سے چیخا''ابے کیا ہے؟''

''حضور ایک فقیر راستہ روکے کھڑا ہے۔سڑک سے نہیں ہٹتا۔'' سائیس نے جواب دیا۔

غصے سے بے قابو ہو کر رپودمن سنگھ بگھی سے اترا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، پہلے تو تڑاخ تڑاخ پانچ سات ہنٹر ہاتھ کی پوری قوت سے اس فقیر کو مارے، پھر زور سے دھکا دے کر اس کو ایک طرف کی نالی میں گرا دیا اور خود بگھی میں بیٹھ کر اپنی کوٹھی پر پہنچ گیا۔اب فقیر لڑکھڑاتا ہوا اٹھا، آسمان کی طرف منہ کیا اور ہاتھ سے اشارے کرتا ہوا کہنے لگا۔

''بس جی! یہی یاری تھی؟ ---اب ہنٹر مرواتے ہو--- لاتیں مرواتے ہو--- دھکے لگواتے ہو--- پھر کہتے ہو یاری ہے، یاری ہے--- یہی یاری ہے؟ --- یہ دھکے، مکے، لاتیں اور ہنٹر؟ یہ کیسی یاری ہے؟ --- چلو جی! --- دھکے بھی لگواتے ہو، ہنٹر بھی مرواتے ہو۔پھر کہتے ہو یاری ہے، یاری ہے۔یہ کیسی یاری ہے؟''

بس ان ہی جملوں کی بار بار وہ تکرار کر رہا تھا اور ہاتھوں سے بھی اس طرح اشارے کرتا تھا کہ گویا اللہ تعالیٰ سامنے ہے اور اس سے گلے شکوے ہو رہے ہیں۔

اس زمانہ میں ایک اے ایس آئی سعید اختر خان کوتوال صاحب کے ساتھ کام کرتا تھا۔اس نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اس کو یقین ہو گیا کہ یہ فقیر رپودمن سنگھ کا بیڑا غرق کروا کر ہی چھوڑے گا۔وہ اسی وقت سیدھا رپودمن سنگھ کی کوٹھی پر پہنچا اور اس کو کہا۔

''جناب! آپ نے امین آباد چوک میں ایک فقیر کو مار کر بہت غلط کام کیا ہے۔آپ پر ضرور کوئی مصیبت آ جائے گی، اب بھی وقت ہے۔چلیں، اور اس فقیر کو راضی کر لیں۔''

رپودمن سنگھ بولا''نکل جاؤ میری کوٹھی سے۔میں نے ایسے بہت بھک منگے دیکھے ہیں۔بڑا

Marfat.com

آیا ہے مجھے ڈرانے والا۔"

چنانچہ سعید اختر خان ناکام واپس چلا آیا۔

❁❁❁

اسی دن دس بجے لکھنؤ کی سب سے بڑی مغنیہ (گانے والی) جو اونچے رؤساء کی تقریبات مسرت میں ہزاروں روپے فیس پیشگی وصول کر کے گایا کرتی تھی، ایک کپڑے کی دکان پر کپڑا لینے گئی۔ وہاں دکان پر اس کو بڑی قیمتی ساڑھیاں دکھائی دیں۔ دکان دار سے مانگ کر اس نے وہ ساڑھیاں جو دیکھیں تو اس نے پہچان لیں کہ یہ تو اس کا وہی مسروقہ مال ہے، جس کی تھانے والوں نے رپورٹ ہی درج نہیں کی تھی۔ اس کے مکان پر ڈاکہ ڈال کر ڈاکو جو بیش قیمت سامان لے گئے تھے، اس میں یہ ساڑھیاں بھی تھیں۔ مغنیہ نے دکاندار سے قیمت پوچھی تو اس نے معمولی قیمت بتائی۔ اس سے مغنیہ کو یقین ہو گیا کہ ساڑھیاں اس کے اسی مسروقہ مال میں سے ہیں، جس کی تھانے والوں نے رپورٹ نہیں لکھی تھی۔

وہاں سے واپس جا کر مغنیہ نے کسی سمجھ دار آدمی کو اپنا دکھڑا سنایا تو اس نے ایک ترکیب بتائی اس نے کہا:-

"مائی! آج ایک بجے اس سڑک سے لاٹ صاحب کی سواری گذرے گی۔ تم سڑک کے کنارے کھڑی رہنا۔ جوں ہی لاٹ صاحب کی موٹر نزدیک آئے، تم بیچ سڑک کے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ اوپر کی طرف اٹھا دینا۔ لاٹ صاحب کی موٹر رک جائے گی اور تمہاری دادرسی ہو جائے گی۔"

چنانچہ اس مغنیہ نے ایسے ہی کیا اور ایک بجے جوں ہی لاٹ صاحب کی موٹر آتے دیکھی، وہ بیچ سڑک کے کھڑی ہو گئی اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔ لاٹ صاحب کی موٹر رک گئی۔ لاٹ صاحب کوئی اچھا انگریز تھا۔ کار سے اتر کر خود مغنیہ کے پاس آ گیا اور پوچھا کہ مائی! کیا بات ہے؟

مغنیہ بولی کہ حضور! میرے گھر پر ڈاکہ پڑا تھا۔ چور بہت سا قیمتی مال لے گئے تھے جس میں

Marfat.com

میری قیمتی ساڑھیاں بھی تھیں اوراب وہ ساڑھیاں فلاں بزازی والے کی دکان پرفروخت کے لئے موجود ہیں۔میں تھانے میں رپٹ لکھوانے بھی گئی لیکن تھانے والوں نے میری رپٹ نہ لکھی۔

لاٹ صاحب نے انگریز ایس پی کو بلا کر کہا کہ تم میری ڈیوٹی چھوڑ دواوراس مائی کی دادرسی کرو۔

چنانچہ لاٹ صاحب تو آگے روانہ ہوگیا اور ایس پی اس مائی کو اپنی کار میں بٹھا کر سیدھا بزازی والے کی دکان پر پہنچا اور مائی سے پوچھا کہ کہاں ہیں تمہاری ساڑھیاں؟

مائی نے کہا کہ حضور! وہ رکھی ہیں۔ایس پی نے دکاندار کو کہا کہ لاؤ وہ ساڑھیاں۔دکاندار نے کانپتے ہاتھوں سے وہ ساڑھیاں ایس پی صاحب کے آگے رکھ دیں۔ایس پی نے جب پوچھا کہ یہ کس کی ہیں؟ تو دکاندار بولا کہ کوتوال صاحب بہادر کی ہیں حضور!

چنانچہ ایس پی نے اس مائی اوراس دکاندار کو ساڑھیوں سمیت موٹر میں بٹھالیا اور سیدھا اس علاقہ کے تھانے میں پہنچا اور تھانہ کے روزنامچہ پر خود رپورٹ لکھی کہ

''میں آج لاٹ صاحب کے ساتھ جارہا تھا، یہ مائی راستہ میں کھڑی ہوگئی۔لاٹ صاحب کی موٹر رک گئی۔ مائی نے اپنی روداد سنائی۔لاٹ صاحب نے مجھے تفتیش کے لئے بھیجا۔دکاندار نے بتایا کہ یہ سامان کوتوال شہر کا ہے جس کا نام رپودمن سنگھ ہے اور تھانے والوں نے بتایا ہے کہ کوتوال صاحب نے ہم کو حکم دیا تھا کہ اس ڈاکہ کی رپورٹ نہ لکھنا۔''

اس کے بعد ایس پی نے اس دکاندار سے ضمانت لے کر اس کو چھوڑ دیا اور مغنیہ کو بھی کہا کہ تم اب گھر جاؤ، تمہارا انصاف ٹھیک ٹھیک ہو جائے گا۔

چنانچہ بزاز اور مغنیہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔چار بجے شام ایس پی نے لاٹ صاحب کو مفصل رپورٹ پیش کی۔لاٹ صاحب نے حکم دیا کہ رپودمن سنگھ کو گرفتار کیا جائے اور پوری چھان بین کے ساتھ انصاف کیا جائے۔

❁❁❁

Marfat.com

شام کے چھ بجنے والے ہیں۔ رپودمن سنگھ کی کوٹھی پر محفل جمی ہوئی ہے۔ مغنیہ مجرا کر رہی ہے۔ شراب کا دور چل رہا ہے اور رپودمن سنگھ برات کے دولہا کی طرح کامدار ململ کی قمیص پہنے، عطر میں بسا ہوا، پھولوں سے سجا ہوا درمیان میں بیٹھا ہے، کہ چپڑاسی نے آ کر کان میں کہا کہ باہر ایس پی صاحب کھڑے حضور کو یاد کر رہے ہیں۔ رپودمن سنگھ ناگواری سے بولا۔ ''یہ خبیث اس وقت کہاں آ گیا؟ ہمارے رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔''

اسی طرح اول فول بکتے باہر جو نکلا تو ایس پی کے ساتھ موجود اسٹاف نے اس کو گرفتار کر لیا اور ہتھکڑی لگا کر حوالات پہنچا دیا۔

دوسرے دن مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ اب انکوائری جو شروع ہوئی تو پتہ چلا کہ ہر تھانے سے رپودمن سنگھ دو سو روپیہ ماہوار وصول کرتا تھا۔ اس سے گانے اور شراب نوشی کی محفلیں سجاتا تھا۔ تمام تھانوں کے سٹاف نے شہادتیں دیں اور نتیجہ میں رپودمن سنگھ کو سولہ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی اور اس کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی گئی۔

یہ قصہ سنا کر جناب میر فضل عظیم صاحب مرحوم نے یہ شعر پڑھا۔

کیا حسن نے سمجھا ہے، کیا عشق نے جانا ہے
ان خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانا ہے

اللہ تعالیٰ میر صاحب مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔ اور اس پر فقیر کو بھی ایک فارسی کا شعر حسبِ حال یاد آ گیا۔ ''جامِ عرفاں'' کے فارسی دان ناظرین لطف اٹھائیں گے۔

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

صبح آٹھ بجے ایک مجذوبِ برحق پر ظلم ہوا اور شام چھ بجے ''خدائی'' دکھانے والا کوتوال حوالات میں پہنچ گیا اور چند دنوں بعد اس کا بیڑا ہی غرق ہو گیا۔

Marfat.com

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

اس مضمون کی اشاعت کے بعد جامِ عرفاں کے ایک صاحبِ علم قاری ڈاکٹر شیر محمد پنی مرحوم نے اس کی تائید میں مزید ایک ایسا ہی واقعہ ہمیں لکھ کر بھیجا جو درج ذیل ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:-

اس واقعہ کے عین مطابق ایک مجذوب کا قصہ میں نے قومی ڈائجسٹ ماہ اکتوبر ۱۹۸۰ء میں پڑھا تھا۔ یہ دکھانے کے لئے کہ تاریخ کس طرح اپنے آپ کو دوہراتی ہے، قارئین کے مطالعہ کے لئے نقل کرتا ہوں۔

''ایک مجذوب اپنی دھن میں جا رہا تھا۔ سامنے سے کوتوال اپنی داشتہ کے ہمراہ گذرا۔ داشتہ کی لمبی چادر کا پلو مجذوب کے پاؤں تلے آ گیا۔ کوتوال نے بے تحاشہ مجذوب کو پیٹا، مجذوب بید کھا کر اٹھا اور ہنستا ہوا چل پڑا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی۔

کچھ فاصلے پر کوتوال کا پاؤں پھسلا، کہ اس کی روح قبض ہوگئی۔ لوگ مجذوب کے پیچھے دوڑے، کہ بابا! یہ کیا کیا؟

اس نے کہا، ''کچھ نہیں --- یار یاروں کے کام آتے ہیں۔ اس کا دوست اس کے کام آیا تھا، میرا دوست میرے کام آ گیا۔''

Marfat.com

# انڈر والا باٹ

(اندر والی بات)

ایک بدزبان گورے افسر اور غیرت مند کالے ملازم کے
درمیان پیدا ہونے والی کشمکش کا دلچسپ احوال

محفل احباب میں یہ بات چل رہی تھی کہ فلاں سربراہ مملکت فلاں سیاستدان (جس کی ملک دشمنی معروف ہے) کی عیادت کو اس کے گھر گیا---یہ کیا بات ہے؟

اس سلسلہ میں مختلف آراء تھیں۔فقیر نے کہا کہ یہ سیاست کے کھیل ہیں---انڈر والا باٹ ---کچھ اور ہوتی ہے، سامنے کچھ اور ہوتا ہے۔غالباً غالبؔ مرحوم نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

میری بات سُن کر ایک صاحب نے کہا کہ یہ جملہ جو آپ نے کہا ہے ''انڈر والا باٹ'' اس کا کیا مطلب ہے؟ فقیر نے کہا کہ یہ ایک انگریز کا مقولہ ہے، جس کے پیچھے ایک دلچسپ داستان ہے۔ اس پر احباب مصر ہوئے کہ وہ داستان ہم کو ضرور سنائیں۔

فقیر نے بتایا کہ یہ آج سے کوئی پچاس برس پہلے کی بات ہے کہ ضلع میانوالی قائم ہوا۔ پہلے تحصیل عیسیٰ خیل اور تحصیل میانوالی کا ضلع بنوں ہوا کرتا تھا۔ پھر ان دونوں تحصیلوں کو سرحد سے نکال کر پنجاب میں شامل کیا گیا تو ان کے ساتھ بھکر کو تیسری تحصیل بنا کر ضلع میانوالی بنا دیا گیا اور ضلعی دفاتر

Marfat.com

کے لئے جو عمارتیں تعمیر کی گئیں، وہ انگریزی حرف ای (E) کی شکل کی ایک ہی عمارت میں آ گئیں۔ تمام عدالتی دفاتر اور ضلع پولیس کے دفاتر بھی اسی میں تھے۔ تحصیل کی عمارت بھی پاس ہی بنادی گئی۔ اس طرح متعلقہ افراد کو وقت اور خرچ کی بچت ہوتی تھی۔

کچھ عرصہ بعد ملازمین کو پتہ چلا کہ سمتھ نامی ایک بدزبان انگریز ڈپٹی کمشنر آنے والا ہے جو ہر کلرک کو بلاوجہ گالیاں دیتا ہے۔

کلرکوں میں اس پر بحثا بحثی چلتی کہ ہم تو ''کُٹر بٹیرے'' ہیں۔ (مار کھانے والا بٹیرا، جو میدان میں ہر بٹیرے کے سامنے سر جھکا دیتا ہے، اس کو ہندکو میں ''کُٹر بٹیرا'' کہتے ہیں۔) لیکن عبدالحمید خان کے طرے کا کیا بنے گا۔

عبدالحمید خان نیازی اچھے تن ونوش کا ایک طرحدار نوجوان تھا۔ زری کلاہ پر فُٹ بھر کلف لگے ہوئے طرے کی پگڑی باندھے ہوئے جب وہ دفتر کو آتا تو کچہری بھر کی نظریں اس کی طرف اٹھ جاتیں۔ اس نے یہ باتیں سنیں تو کہا کہ میں سمتھ کو ایسی ''نصیحت'' دوں گا کہ یا تو یہاں نہیں رہے گا یا اپنی زبان درست کر لے گا۔

آخر پروگرام کے مطابق سمتھ آ گیا۔ اب جو کلرک کاغذات لے کر اس کے پاس جاتا تو وہ اپنی بدعادت کے مطابق کہتا:

''ویل، ڈیم فول، حرامزادہ، کیا لایا؟''

اس کی بدزبانی سے سارا عملہ نالاں تھا مگر کچھ کرنے سے معذور تھا؛ البتہ عبدالحمید خان سمتھ کو سیدھا کرنے کی ترکیبیں سوچتا رہا۔ آخر اس کے ذہنِ رسا نے ایک تدبیر ڈھونڈ نکالی۔

ڈپٹی کمشنر کے دفتر کے سامنے کچھ فاصلہ پر درختوں کے نیچے ایک چھوٹا سا کمرہ بنایا گیا تھا۔ اسے سبیل کہتے تھے۔ گرمیوں میں اس میں لوگوں کے پینے کے لئے پانی کے مٹکے رکھے جاتے تھے اور سردیوں میں کباڑ خانہ کا کام دیتا تھا۔ حمید خان نے اس کمرے کا جائزہ لیا اور جو ردی سامان تھا، وہ نکال

باہر کیا۔اس کی اندر کی طرف کنڈی نہ تھی۔حمید نے خود ایک کنڈی لگوادی تا کہ دروازہ اندر سے بند کیا جاسکے۔اب یہ کمرہ حمید خان کے مجوزہ منصوبے کے لئے تیار تھا۔اس دوران اس نے سمتھ کے قد کاٹھ سے اندازہ لگالیا کہ یہ طاقت میں مجھ سے زیادہ نہیں ہے۔

بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی۔ایک دن حمید خان کی باری بھی آ گئی۔وہ کاغذات لے کر سمتھ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے اپنے معمول کے مطابق کہا

''ویل،ڈیم فول،حرامزادہ،کیا لایا؟''

حمید خان نے چھوٹتے ہی انگریزی میں کہا

''یوڈیم فول،یور فادر ڈیم فول،یور گرینڈ فادر ڈیمفول''

(یعنی تم ڈیم فول،تمہارا باپ ڈیم فول،تمہارا دادا ڈیم فول۔)ساتھ ہی نیلی پیلی آنکھیں بھی دکھادیں۔

سمتھ جب سے انگلستان سے آیا تھا،اس کو پہلی بار ایک گستاخ کالے آدمی سے یوں پالا پڑا تھا۔وہ تصور بھی نہ کرسکتا تھا کہ اس کی عدالت کے اندر کوئی کالا ماتحت اس سے یوں مخاطب ہوسکتا ہے۔

چنانچہ وہ انتہائی غصے میں رول لے کر حمید خان کی طرف لپکا اور حمید خان باہر برآمدے میں نکل کر

''مارا گیا،مارا گیا،بچائیو،بچائیو۔''

کا شور کرتا ہوا اس منتخب کمرے کی طرف بھاگا اور اس میں گھس گیا۔پیچھے سے اسمتھ بھی پہنچ گیا اور جونہی وہ کمرے کے اندر داخل ہوا،حمید خان نے جھٹ سے دروازہ بند کر دیا اور اندر سے چٹخنی لگا دی،پھر سمتھ کو گرا کر اس کے اوپر چڑھ بیٹھا اور تابڑ توڑ گھونسے سمتھ کے منہ،سینہ اور پسلیوں پر مارنے لگا۔مگر چالاکی یہ کی کہ جیسے ہی گھونسا مارتا،خود ہی چلاّتا

''ہائے مر گیا،ہائے مار ڈالا،ہائے پسلی ٹوٹ گئی۔توڑ دو،دروازہ توڑ دو،بچاؤ،مجھے بچاؤ۔''

تمام عدالت میں کہرام مچ گیا۔سب دفتروں میں کلرکوں نے ہڑتال کر دی۔تمام افسرانے

Marfat.com

ڈی ایم، افسر مال، مہتمم خزانہ، اسسٹنٹ کمشنر، ای اے سی، کوٹھری کے باہر جمع ہو گئے۔ لیکن کالے لوگوں پر انگریز کا اتنا رعب تھا کہ کسی کو جرات نہ ہوتی تھی کہ انگریز کی لگائی ہوئی کنڈی کو توڑ سکے۔ اس ہنگامے میں انگریز پولیس کپتان آ گیا۔ سب ''کالوں'' نے اس گورے سے درخواست کی کہ آپ دروازہ کھلوائیں یا دروازہ توڑ دیں۔ چنانچہ پولیس کپتان نے انگریزی میں کہا کہ مسٹر سمتھ! دروازہ کھولو، مگر سمتھ بے چارہ تو حمید خان کے نیچے ادھ موا ہو چکا تھا۔ وہ کیسے دروازہ کھولتا؟ آخر پولیس کپتان نے کوشش کی کہ دروازہ توڑ دے۔ دروازہ کو جو دھکیلا اور دروازے نے چرچر کی تو حمید خان نے بڑی پھرتی سے ادھ موئے انگریز سمتھ کو پلٹ کر اپنے اوپر ڈال لیا اور خود اس کے نیچے ہو گیا اور لگا کراہنے کہ ہائے مر گیا، ہائے پسلی ٹوٹ گئی۔ گو اندر کی حقیقت تو کچھ اور ہی تھی لیکن قانونی صورت حال یوں بن گئی کہ صاحب بہادر نے ایک کلرک کو کمرے میں بند کر کے بری طرح مارا پیٹا اور اس کی دو پسلیاں بھی توڑ دیں۔

باقی کلرک حمید خان کو چارپائی پر ڈال کر پہلے تو قریبی ہوٹل پر لے گئے اور اس کو گرم گرم دودھ پلایا۔ پھر اس کو اسی چارپائی پر اٹھائے جلوس کی شکل میں گھر لے گئے۔ جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی۔ اس زمانے میں ایک قومی خبر رساں ایجنسی یونائیٹڈ پریس تھی۔ اس کے نمائندے نے بذریعہ تار پوری کاروائی لاہور بھیج دی اور ٹیلی پرنٹر مشینوں نے آناً فاناً اس خبر کو ہندوستان بھر کے اخبارات تک پہنچا دیا۔ کچھ لوگوں نے اس ''ظلم'' کے خلاف گورنر پنجاب اور چیف سیکرٹری کو تار تک دے دیئے۔

غرضیکہ بات بہت دور تک پہنچی اور انگریزی حکومت کی بہت بدنامی ہوئی۔ کلرکوں نے علیحدہ ہڑتال کر رکھی تھی اور معاملہ کسی طور پر سلجھ نہیں رہا تھا۔ آخر مقامی افسروں کی کوشش سے یہ طے ہوا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب مجمع عام میں حمید خان سے معافی مانگے۔ سمتھ بھی چار و ناچار اس پر تیار ہو گیا۔ چنانچہ اس قضیہ کو طے کرنے کے لئے چائے نوشی کی ایک تقریب منعقد کی گئی، جس میں مسٹر اسمتھ نے حمید

Marfat.com

خان سے معافی مانگنی تھی۔حمید خان نے اپنی کمزوری اور نقاہت کا تاثر قائم رکھنے کے لئے دو کلرکوں کو پہلے سے اپنے دائیں بائیں بٹھالیا اور ان کو سمجھا دیا کہ جب سمتھ معافی مانگ چکے تو تم دونوں مجھے سہارا دے کر کھڑا کر دینا اور آخر تک مجھے سنبھالے رکھنا۔

چنانچہ پروگرام کے مطابق مسٹر سمتھ کھڑا ہوَا اور یوں گویا ہوَا

''ویل مسٹر ابڈل ہامیڈ کھان، انڈر والا باٹ یا ٹم جانٹا یا ہم جانٹا۔ایڈھر ہم ٹم سے مافی مانگٹا۔''

(اچھا بھئی عبدالحمید خان! اندر والی بات یا تم جانتے ہو یا میں جانتا ہوں۔مگر اِدھر میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔)

اس کے بعد ان دو کلرکوں نے مسٹر عبدالحمید خان کو طے شدہ پروگرام کے مطابق کھڑا کیا اور عبدالحمید خان نے کراہتے ہوئے مریل سی آواز میں کہا

''صاحب! آپ ہمارا افسر ہے۔کوئی بات نہیں، ہم نے معاف کیا۔''

اس پر خوب تالیاں بجیں، پھر چائے پی گئی، جس کو دکھی دل سے مسٹر سمتھ بھی زہر مار کرتا رہا۔

قارئین کرام! یہ تھا ''انڈر والا باٹ'' کا قصہ!

اس دوران مسٹر سمتھ نے اپنی تبدیلی کرالی تھی۔چنانچہ چارج اے ڈی ایم کو دے کر بوریا بستر گول کر کے اگلی صبح لاہور چلا گیا۔کلرکوں نے بھی شکر کیا کہ --- رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت --- بہر حال کالے عبدالحمید خان کا شاندار طرہ بدستور لہراتا رہا اور ''گورے'' سمتھ کی مٹی پلید ہو کر رہ گئی۔

Marfat.com

# سردار باوا سنگہ

۱۹۴۶ء کی بات ہے۔ اوپر کی سطحوں پر تقسیم وطن کی باتیں تھیں اور عوام میں ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ'' کے نعرے تھے۔ ان دنوں ایک سکھ نوجوان سردار باوا سنگھ نامی مانسہرہ کا باشندہ تھا اور بس چلایا کرتا تھا۔

جولائی اور ماہ رمضان کا مہینہ تھا اور ڈیڑھ بجے دوپہر کا وقت۔ ایبٹ آباد بس اسٹینڈ میں اس کی گاڑی نمبر پر لگی تھی، جو سواریوں سے بھری ہوئی تھی۔ صرف ڈرائیور کے ساتھ والی نشست خالی تھی۔ اس نے فقیر کو دیکھا تو سابقہ تعارف کی وجہ سے آگے بلا لیا۔

ان دنوں عوامی بسوں کے لئے پٹرول کا صرف ۱۶ گیلن ماہوار کوٹہ مقرر تھا؛ البتہ حکومت نے بس والوں کو زیادہ سواریاں لادنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ فقیر نے تو سردار باوا سنگھ سے پوچھا کہ کس رفتار سے چلو گے؟ تو اس نے کہا کہ جناب ''ٹاپو ٹاپ'' جائیں گے۔ یعنی بہت تیز جائیں گے۔ مگر جب بس اڈہ سے نکلی تو ہر دس قدم پر سردار نے بس روکنی اور سواریاں چڑھانی شروع کر دیں۔ اس طرح تین فرلانگ تک پونے تین بج گئے۔

فقیر نے تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ سردار جی! آپ تو کہتے تھے کہ ''ٹاپو ٹاپ'' جائیں گے مگر دو فرلانگ پر بس نے ایک گھنٹہ لگا دیا۔ ظہر کی نماز نہ یہاں ملی اور نہ ہی آگے ملنے کی صورت نظر آ رہی ہے۔

سردار جی نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ جناب! آپ خود ڈرائیور ہیں۔ پٹرول کی نازک صورت حال آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ اوور لوڈنگ نہ کریں تو گزارا نہیں چلتا۔ اب آگے اڈہ

Marfat.com

بانڈھی ڈھونڈن (موجود قلندر آباد) سے اِدھر ایک مسجد ہے۔ وہاں میں بس روکوں گا، آپ پریم سے (یعنی اطمینان سے) نماز پڑھیں۔ آپ فارغ ہوں گے تو بس چلے گی۔

چنانچہ وہ مسجد آتے ہی سردار جی نے مسجد کے سامنے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بس کھڑی کردی اور خود دوسری طرف سڑک کے کنارے بیٹھ کر سگریٹ پینے لگ گیا۔

اس سکھ کے متعلق عرض کردوں کہ یہ بچپن میں یتیم ہوگیا تھا اور بری صحبتوں میں پڑ کر جوئے اور شراب وغیرہ بداخلاقیوں میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اس لئے جائیداد کوڑیوں کے بھاؤ بیچ ڈالی۔ اب بھوکوں مرنے لگا تو ڈرائیوری سیکھ لی اور ایک ہندو بزاز کی بس تنخواہ پر چلانے لگا۔

ظہر کی نماز کے لئے بس سے ایک فقیر اترا اور ایک نابینا حافظ جی۔ فقیر نے حافظ جی کو کوزہ بھر کر دیا اور استنجا خانہ پہنچایا۔ پھر وہاں سے وضو کی نالی پر لا کر بٹھایا اور خود بھی وضو کیا۔ اس طرح واپسی میں ہمیں تاخیر ہوگئی؛ جبکہ بس کی بے نماز سواریوں کے لئے ایک ایک منٹ کا انتظار دوبھر ہو رہا تھا، اس لئے انہوں نے ہمارے نماز پڑھنے پر طرح طرح کے تبصرے شروع کر دیئے۔

ایک بولا---"یار یہ لوگ بھی بڑے ظالم ہیں۔ مانسہرہ جا کر نماز پڑھ لیتے۔ اس گرمی میں ہم سب کو سولی پر لٹکا رکھا ہے۔"

دوسرے نے کہا---"نہیں یار، اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہم کو اپنی بزرگی دکھاتے ہیں۔"

تیسرا بولا---"درحقیقت یہ لوگ ہم کو چڑاتے ہیں کہ تم بے نماز ہو اور ہم نمازی ہیں۔"

جب بس میں شور و غوغا زیادہ شروع ہوگیا تو باوا سنگھ لوگوں سے مخاطب ہوا اور کہا

"سنو! یہ مولوی صاحب تمہارے مذہب کا کام کرتے ہیں، نہ کہ میرے مذہب کا مگر اتنا مجھے معلوم ہے کہ جس کام کے لئے انہوں نے بس رکوائی ہے، وہ اچھا کام ہے۔ اگر یہاں کوئی مجرا تماشا ہوتا تو میں ہرگز بس نہ روکتا لیکن نماز کے لئے بس ضرور رکے گی۔ جس نے بہت جلدی جانا ہے، وہ بے شک اتر کر سڑک پر سوار ہو جائے اور مجھے پیسے بھی نہ دے۔"

Marfat.com

اس زمانہ میں سوا روپے گیلن پٹرول ہوتا تھا اور تین آنے فی سواری کرایہ تھا جو مانسہرہ کے قریب پہنچ کر کنڈیکٹر اکٹھا کر لیتا تھا۔ یہ دھماکہ خیز دھمکی سنتے ہی سب بے نماز سواریوں کی سٹی گم ہوگئی اور بس میں مکمل سکوت ہوگیا۔ چنانچہ ہم نے بقیہ نماز آرام سے ادا کی۔

سگریٹ کے ایک دو کش لگا کر وہیں بیٹھے بیٹھے سکھ مزید گرجا "یار، تم سب مجھے ایک بات تو بتاؤ۔ اگر یہاں بس کا ٹائر پھٹ جاتا، بریکیں فیل ہو جاتیں یا بیٹری جواب دے جاتی تو آپ لوگ کیا کرتے؟

کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ خود ہی بولا "میں بتاؤں کہ تم کیا کرتے؟ تم سب اتر کر بس کا طواف کرتے اور ایک دوسرے کا حوصلہ بندھاتے کہ بھائی یہ تو اللہ کا حکم آ گیا ہے۔ اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔ بھائی مسلمانو! کتنے افسوس کی بات ہے کہ ٹائر پھٹنے کے لئے اللہ کا حکم آیا، بریکیں اور بیٹری فیل ہونے کے لئے اللہ کا حکم آیا، مگر یہ جو تمہاری نماج (نماز) ہے اس کے لئے اللہ کا کوئی حکم نہیں آیا؟ جو مولوی جی کا قصور بن گیا۔"

یہ تمام بات چیت ہم نے نماز میں ہی سنی تو فقیر کو ایک حدیث شریف یاد آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھار ایک فاسق شخص سے بھی دین کی امداد کرا دیتا ہے۔ اس کافر سکھ کی یہ بات سنتے ہی سواریوں کے منہ لٹک گئے اور سب شرمندہ ہو کر رہ گئے۔ اس کے بعد جب کبھی اس مسجد کے پاس سے گذر ہوتا ہے تو فقیر دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! تیرے اس کافر بندے نے باطمینان نماز پڑھنے میں ہماری امداد کی تھی۔ اگر وہ زندہ ہو تو اسکو ہدایت کی توفیق دینا اور اس کا خاتمہ ایمان پر کرنا۔ قارئین بھی آمین کہیں۔

Marfat.com

## حضرت علامہ قاضی عبدالدائم دائم مدظلہ کے دیگر علمی جواہر پارے

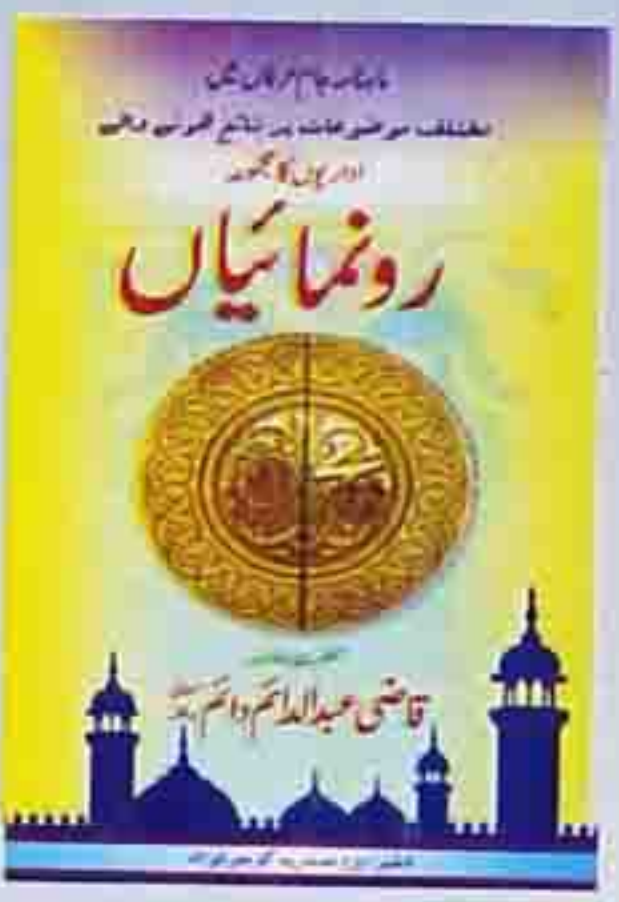

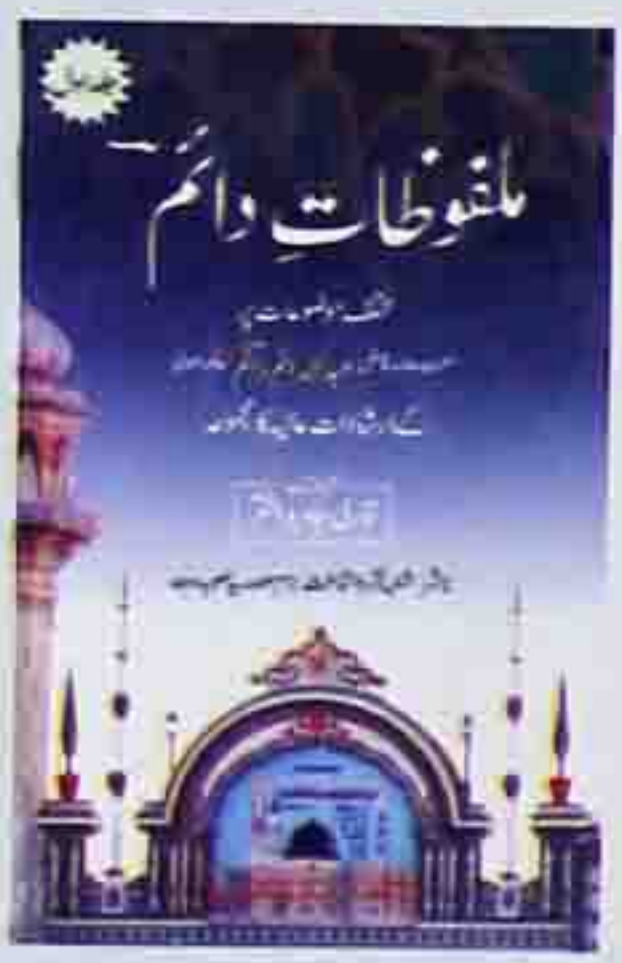

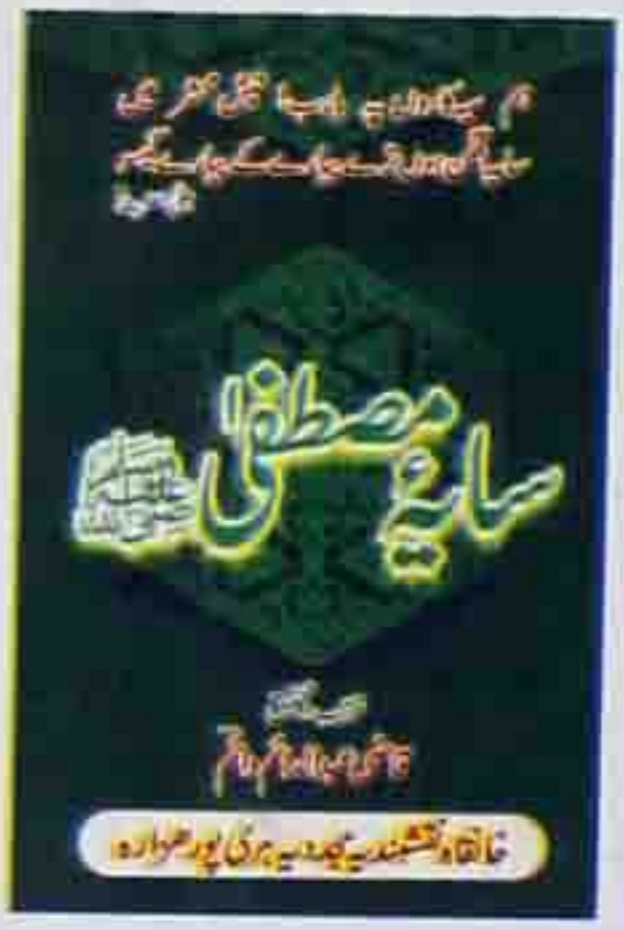

ناشر شعبہ نشر و اشاعت بزم صدریہ پاکستان
خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ
ہری پور ہزارہ

الفیصل ناشران و تاجران کتب
اردو بازار لاہور